قادیانیوں کے حق میں سپریم کورٹ کا

غیر منصفانہ فیصلہ

واقعاتی پس منظر، قادیانیوں کی طرف سے توہین عدالت کا کھلا ارتکاب، قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی کے پانچ سنگین جرائم اور ان کی قانونی سزا، درخواست ضمانت کی روداد، چیف جسٹس کا غیر منصفانہ رویہ، اور قادیانیوں کے حق میں دیئے گئے تازہ فیصلے میں آیات سے غلط استدلال اور دیگر دینی وقانونی غلطیوں کی نشاندھی!

حافظ مولانا عبدالحق خان بشیر نقشبندی

بن

امام اہل سنت، شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

فہرست مضامین

(پہلا بیان) ۱۴
قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ ۱۴
(پہلا حکم): حقوق ان کے حق داروں کی طرف لوٹا دو! ۱۵
(دوسرا حکم): فیصلوں میں عدل وانصاف سے کام لو! ۱۶
سپریم کورٹ کا ایک تازہ فیصلہ! ۱۶
زیرِ بحث مقدمہ توہین دین کا واقعاتی پسِ منظر! ۱۷
قادیانیوں کی طرف سے توہینِ عدالت کا اعلانیہ ارتکاب! ۱۸
چناب نگر تھانہ میں قادیانیوں کے خلاف تحریری درخواست! ۱۸
ضلعی انتظامیہ کی طرف سے جے، آئی، ٹی کمیٹی کا قیام! ۱۹
مرزا بشیر الدین محمود کی امارت اور قادیانی جماعت کی تقسیم! ۲۰
علیحدگی کے لئے الگ شناخت ضروری ہوتی ہے! ۲۰
قادیانی بھی اُمتِ مسلمہ سے الگ اپنی شناخت بنائیں! ۲۲
(۱) تفسیر صغیر کی تقسیم واشاعت اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ سی! ۲۲
(۲) تفسیر صغیر کی اشاعت وتقسیم اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ بی ۲۴
(۳) تفسیر صغیر کی اشاعت وتقسیم اور پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱! ۲۴
(۴) تفسیر صغیر کی اشاعت وتقسیم اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ اے! ۲۵
(۵) تفسیر صغیر کی اشاعت وتقسیم اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ بی! ۲۶
قادیانی ملزم کم از کم ۲۶ سال قید کی سزا کا مستحق ہے! ۲۷
سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ سے ملزم کی درخواست ضمانت مسترد! ۲۸
ملزم کا سپریم کورٹ کی طرف رجوع! ۲۹
چیف جسٹس کا سرکاری وکیل کو مہلت دینے سے انکار! ۲۹

چیف جسٹس کا مدعی کے وکیل کو سننے سے انکار! ۲۹
کیا مدعی کا اس کیس میں مدعی بننا قانوناً غلط تھا؟ ۳۰
آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں! ۳۲
چیف جسٹس کا آیت اکراہ فی الدین سے غلط استدلال! ۳۲
اکراہ فی الدین میں تمام ریاستی ادارے ملوث ہیں! ۳۳
چیف جسٹس کا عدلیہ اور انتظامیہ کو غیر ذمہ دارانہ میسج! ۳۴
مذہبی جبر اگر اکراہ فی الدین ہے تو ریاستی جبر اکراہ فی الدین کیوں نہیں؟ ۳۵
توہین پرچم بھی قابل تعزیر جرم نہیں رہے گا! ۳۶
جناب چیف جسٹس کا قرآنی آیاتِ دعوت سے غلط استدلال! ۳۷
(۱) نبی کا کام صرف پہنچانا ہے، منوانا اس کی ذمہ داری نہیں؟ ۳۸
کیا عدالت کا قیام بھی قرآن کے خلاف ہے؟ ۴۰
کیا چیف جسٹس اپنے منصب سے مستعفی ہو سکیں گے؟ ۴۱
کیا چیف جسٹس کا یہ فیصلہ منصبی اختیار سے تجاوز نہیں؟ ۴۲
(۲) ایمان و عمل کے حوالہ سے بندہ مجبور محض ہے! ۴۲
آیت میں حضور علیہ السلام کو کس جبر سے روکا گیا؟ ۴۴
ہدایت و ضلالت کا قانون الٰہی! ۴۵
(دوسرا بیان) ۴۶
قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ ۴۶
دعوت اور قانون کے تقاضے الگ الگ ہیں! ۴۷
انسان منزل کے دوراہے پر کھڑا ہے! ۴۸
انسان زمین پر خلیفۃ اللہ ہے! ۴۹
انسان کا اختیار ہی اس کی سب سے بڑی آزمائش ہے! ۵۱

موت وحیات کا فلسفہ اسی آزمائش کی بنیاد پر کھڑا ہے! ۵۲
قرآن، ایمان وکفر کی آزمائش کا ذریعہ ہے! ۵۳
انسانی راہنمائی کا قرآنی اصول وضابطہ! ۵۳
مَنْ جَدَّ وَجَدَ کا سنہری اور زریں اصول! ۵۵
انسان کے مجبور محض ہونے کا عقیدہ مشرکین کا تھا! ۵۶
کیا یہ ریاستی وعدالتی سسٹم بھی قرآن کے خلاف ہے؟ ۵۷
کیا جنت وجہنم کے ٹھکانے فضول اور بے مقصد ہیں؟ ۵۸
کیا ریمورٹ کنٹرول مجرم کو سزا دی جاسکتی ہے؟ ۵۹
نائم بھی مرفوع القلم ہے! ۶۱
کیا ہپناٹائز یا جادو کا شکار مجرم قابل مواخذہ ہے؟ ۶۱
انسان بھی اگر روبوٹ یا ڈرون ہے تو ہرگز قابل مواخذہ نہیں! ۶۲
جناب چیف جسٹس کا آیاتِ فکر وتدبر سے غلط استدلال! ۶۳
دوسری آیت کریمہ کا مقصد فرعونیت کا راستہ روکنا ہے! ۶۵
چار دن کی زندگی اور پھر اندھیری رات! ۶۶
قرآن پہلے ایمان وعمل کی کتاب ہے پھر فکر وتدبر کی! ۶۷
قرآن کی بنیادی دعوت انسان کی فکری وعملی اصلاح ہے! ۶۸
قرآن میں فکر وتدبر کی بنیاد سنتِ رسول ﷺ ہے! ۶۹
جناب چیف جسٹس کا آیت حفاظتِ قرآن سے غلط استدلال! ۷۱
ظاہری اسباب سے صرف نظر کرنا بھی قرآن کی خلاف ورزی ہے! ۷۲
توہینِ عدالت کی سزا قاضی دے گا، ناموسِ رسالت کا تحفظ اللہ کے حوالہ! ۷۳
(تیسرا بیان) ۷۶
قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ ۷۶

گذشتہ بیانات کا خلاصہ! ۷۷
مذہبی آزادی کے آرٹیکل ۲۰ اور آرٹیکل ۲۲ کا غیر ضروری حوالہ! ۷۷
فتح فلسطین کے بعد فاروقِ اعظمؓ کا عیسائیوں سے معاہدہ! ۷۸
یہودیوں کو ہم سے الگ رکھا جائے، عیسائیوں کا مطالبہ! ۷۹
معاہدہ کے ضامن اور گواہ! ۸۰
پاکستان کے اندر مذہبی حقوق کا حق دار کون ہے؟ ۸۱
مسیحی اقلیت! ۸۱
ہندو دھرم! ۸۲
سکھ مذہب! ۸۳
قادیانی اقلیت دوسری اقلیتوں سے قطعی مختلف ہے! ۸۳
قادیانیوں کے لئے دو قانون بنانے کی ضرورت کیوں پڑی؟ ۸۴
مذہبی حقوق کی آڑ میں قادیانی مذہب کا دفاع غیر منصفانہ عمل ہے! ۸۶
قادیانیوں کو ریاستی قومی دھارے میں لانے کی ضرورت ہے! ۸۶
قادیانیوں کی قانون شکنی ناقابل قبول ہے! ۸۸
قادیانیوں کی مذہبی آزادی کے نقصانات! ۸۸
مسلمانوں کے بارہ میں قادیانیوں کا مذہب کیا ہے؟ ۸۹
قادیانی مذہب میں غیر قادیانی حرامئ النسل اور ولد الحرام ہیں! ۹۱
چیف جسٹس کا قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کو نظر انداز کرنا! ۹۲
۲۰۲۱ء میں قرآن ایکٹ بنا نہیں صرف اس کی سزا میں اضافہ ہوا! ۹۳
عدالتِ عظمیٰ نے ایف، آئی، آر تاخیر سے درج کرنے کا نوٹس کیوں نہیں لیا؟ ۹۴
بدل سکیں تو سسٹم بدلیں! ۹۵
ملزم پر ترس ضروری ہے اور مدعی ناقابل رحم ہے؟ ۹۶

پولیس اور ماتحت کورٹس نے مدعی کی درخواستیں مقدمہ کا حصہ بنائیں! ۹۸
آئین کے آرٹیکل ۱۲، کا اطلاق قادیانی ملزم پر نہیں ہوتا! ۹۹
آرٹیکل ۱۲ کا اطلاق کس ملزم پر ہوتا ہے؟ ۹۹
قادیانی ملزم پر آرٹیکل ۱۲ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ۱۰۰
قادیانی ملزم قرآن ایکٹ کے تحت کتنی سزائوں کا مستحق ہے؟ ۱۰۱
(چوتھا بیان) ۱۰۳
قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ ۱۰۳
مجموعۂ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۲۷ اور عدالت کا اختیار ۱۰۴
سپریم کورٹ کے فیصلہ میں دفعہ ۲۲۷ کا غیر منصفانہ استعمال ۱۰۵
سپریم کورٹ کا عائد کردہ ۱۹۳۲ء کا ترمیمی بل کیا ہے؟ ۱۰۶
ایک قادیانی ملزم کے لیے ریلیف، اور ہزاروں بے گناہ انصاف سے محروم ۱۰۹
قادیانی ملزم کے پانچ جرائم اور ان کی سزا ۱۱۰
۱۹۹۳ء کے لارجر بینچ کے فیصلہ کو غیر مؤثر بنانے کی سازش! ۱۱۲
لاجر بینچ اور ڈبل بینچ کے فیصلوں میں تضاد! ۱۱۳
مذہبی مقدمات جذبات کو ہوا دیتے ہیں؟ چیف جسٹس کا شکوہ! ۱۱۴
جذبات انسانی فطرت کا حصہ ہوتے ہیں ۱۱۵
جرم اور جذبہ کی جنگ میں جذبہ کا ساتھ دینا ضروری ہے! ۱۱۶
کتے کھول کر پتھروں کو باندھ دینا پاگل پن ہے ۱۱۸
جذبات کو ہوا مذہب نہیں لاقانونیت دیتی ہے ۱۲۰
مشرقی خواتین، مغربی تہذیب کے لیے سڑکوں پر! ۱۲۱
ریاست کی سب سے بڑی جذباتیت سیاسی وابستگی ہے ۱۲۳
ججوں کے ساتھ ناروا رویہ کے خلاف احتجاج ۱۲۳

مذہب کے خلاف جذباتیت کا پروپیگنڈہ مغربی شیطانوں کا ایجنڈہ ہے! ۱۲۵
عدالتی سسٹم میں اصلاح اور تبدیلی کی ضرورت ہے ۱۲۶
قانون کے راستہ پر چلنے والوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے ۱۲۷
(پانچواں بیان) ۱۲۹
قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا ۱۲۹
غیر منصفانہ فیصلہ ۱۲۹
پاکستان کی آئینی حیثیت نظریہ پاکستان اور قراردادِ مقاصد کی روشنی میں ۱۳۰
آئین کے آرٹیکل ۸ کے حوالے سے سیکولر حلقوں کی نئی شرارت ۱۳۱
آئین پاکستان کی روشنی میں قانون سازی کی بنیاد قرآن وسنت ہیں ۱۳۲
اسلامی قوانین کے خلاف عالمی استعماری ایجنڈا ۱۳۴
عالمی قوتوں کا پاکستان پر سیاسی اور اقتصادی دباؤ ۱۳۶
نیشنل کمیشن فار ہیومن رائٹس کی رپورٹ سینٹ میں ۱۳۷
یہ ریاست خداداد ہے اس کا نظام بھی خداداد ہے ۱۳۹
ریاست پاکستان ہمیں اقوام متحدہ نے خیرات میں نہیں دی ۱۴۱
پارلیمنٹ کا بوجھ عدلیہ کے کندھوں پر ڈال دیا گیا ۱۴۲
ماتحت عدالتوں اور انکوائیری سسٹم کا بیڑا غرق ۱۴۳
مدعی کی درخواست نہیں قرآن پڑھو! چیف جسٹس کا پولیس کو مشورہ ۱۴۴
توہین رسالت خدا کا معاملہ ہے تو توہین عدالت کس کا مسئلہ ہے؟ ۱۴۵
ہم احسان نہیں حق مانگ رہے ہیں ۱۴۶
اگر یہ توہین عدالت ہو تو "آئی ایم سوری" ہو سکتا ہے ۱۴۷
کیا یہ فیصلہ مستقبل میں قانون کی تشریح قرار پا سکتا ہے؟ ۱۴۸
سپریم کورٹ کے افسر تعلقات عامہ کی پریس ریلیز ۱۴۹

چیف جسٹس کے آیات قرآنی سے استدلال کی شرعی حیثیت ۱۵۰
زیر بحث مقدمہ کی تمام قانونی دفعات بالکل واضح ہیں ۱۵۱
مسئلہ تقدیر کی آڑ میں جرائم کا دروازہ کھولنے کا منصوبہ ۱۵۳
تقدیر کا اثر صرف مذہبی نہیں ریاستی مقدمات پر بھی پڑے گا ۱۵۳
آیات قرآن کی تفسیر بالرائے اور تحریف قرآن ۱۵۵
اس فیصلہ کے خلاف مہم آزادی اظہار رائے کے خلاف ہے ۱۵۶
آئینی حق سے محروم کر دینے والا آزادی رائے کا حق مانگ رہا ہے! ۱۵۶
اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کو کارنر کرنے کی سازش ۱۵۷
مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں، جاوید احمد غامدی کا مذہب ۱۵۸

پیش لفظ

والدِ محترم مولانا عبدالحق خان بشیر نقشبندی حفظہ اللہ کو اللہ رب العزت نے عالی مرتبت نسبی و صہری نسبتوں کے ساتھ ساتھ بے پناہ صلاحیتوں اور بے حد خوبیوں سے نوازا ہے۔ غیر معمولی ذہانت، مطالعہ میں گہرائی و وسعت، حاضر جوابی، قوتِ استدلال، جان توڑ محنت، متاثر کن اندازِ خطابت، دِل کش تحریر کا ملکہ اور عمدہ اندازِ تفہیم ایسی کئی صفات کے مالک ہیں۔ ملکی و بین الاقوامی حالات پر گہری نظر اور موقع بموقع اُن پر اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ بھی آپ کی خاص صفت ہے۔ جمعہ کے بیانات میں جہاں علمی و فکری عنوانات آپ کے پیش نظر ہوتے ہیں، وہیں سیاسی و سماجی موضوعات بھی زیر بحث رہتے ہیں۔

سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ اور والد محترم کے پانچ بیانات!

قرآن پاک کی معنوی تحریف پر مشتمل ایک قادیانی تفسیر کی تقسیم و اشاعت کے مجرم مبارک احمد قادیانی نے اپنی ضمانت کے لیے سپریم کورٹ آف پاکستان میں درخواست دی، جس پر ۶/فروری ۲۰۲۴ء کو سپریم کورٹ نے فیصلہ سنایا، یہ فیصلہ کئی پہلوؤں سے دین اسلام اور آئین پاکستان سے متصادم ہے۔ والدِ محترم نے مسلسل پانچ ہفتے جمعہ کے بیانات میں اِس غیر منصفانہ فیصلہ کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ اور بعد ازاں اِن بیانات کو تحریر میں منتقل کرنے کا مشکل اور کٹھن کام بھی خود ہی انجام دیدیا۔ فجزاہ اللہ خیراً

"شبان ختم نبوت" کے سرگرم رکن مولانا شفیع الرحمن صاحب زید قدرہ کی نگرانی میں اس کی کمپوزنگ و تصحیح کا مرحلہ طے ہوا۔ سردست اِس کی "برقی اِشاعت" پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

چاہا تو جلد یہ مجموعہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہو گا۔ واللہ المؤفق

پانچ خطبات کے تفصیلی مباحث کا اِجمالی خاکہ!

اِن خطبات میں والد محترم نے جن حقائق پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، ذیل میں اُن کا اِجمالی خاکہ پیش کیا جارہا ہے:

۲۰۱۸ء: لاہور ہائی کورٹ میں درخواست دائر کی گئی کہ: قادیانی 'قرآنِ پاک کی معنوی تحریف پر مشتمل ''تفسیر صغیر'' شائع کررہے ہیں، جو قانوناً جرم ہے۔ لہٰذا اِس کے خلاف کاروائی کی جائے۔

۵/ مارچ ۲۰۱۹ء: ہائی کورٹ نے ریاستی اداروں کو قادیانیوں کے اس اِقدام کے خلاف قانونی کاروائی کا حکم جاری کیا۔

۶/ مارچ ۲۰۱۹ء: ہائی کورٹ کے اِس حکم نامہ کے اگلے روز ہی قادیانیوں نے کھلی بغاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان کردیا کہ: ۷/ مارچ ۲۰۱۹ء کو چناب نگر میں ''تفسیر صغیر'' تقسیم کی جائے گی۔

۶/ مارچ ۲۰۱۹ء: جس روز قادیانیوں نے اعلان کیا، اُسی دِن چناب نگر تھانہ میں اِس کے خلاف درخواست دائر کی گئی، لیکن پولیس کی طرف سے کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔

۷/ مارچ ۲۰۱۹ء: اعلان کے مطابق قادیانیوں نے کالج گراؤنڈ چناب نگر میں ''تفسیر صغیر'' تقسیم کی۔ جس کے ثبوت حاصل کرکے دوبارہ تھانہ میں درخواست دی گئی، لیکن پولیس نے ٹال مٹول سے کام لیا۔

عوامی احتجاج کے بعد پولیس نے ایک جے آئی ٹی کمیٹی بنادی، جس نے فریقین کے ہمراہ مختلف اجلاسوں میں اس معاملہ کا ہر پہلو سے جائزہ لیا، لیکن قادیانیوں کا جرم واضح ہونے کے باوجود اُن کے خلاف کاروائی کے بجائے ساڑھے تین سال بعد ۲۰۲۲ء میں یہ معاملہ ''پنجاب قرآن بورڈ'' کو بھیج دیا گیا۔

دسمبر ۲۰۲۲ء: پنجاب قرآن بورڈ نے اس معاملے سے متعلق تمام دستاویزات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد چنیوٹ کی ضلعی انتظامیہ کو ایف، آئی، آر، کاٹنے کا کہا۔

پنجاب قرآن بورڈ کے کہنے پر ایف آئی آر درج کی گئی، جس کے ایک ماہ بعد ملزم (اسم بے

مسمی) مبارک احمد قادیانی کو گرفتار کیا گیا۔

جرائم کی نوعیت سنگین ہونے کی وجہ سے قانوناً ملزم ''ضمانت'' کا حق دار نہیں تھا۔ چنانچہ ملزم کی درخواست ضمانت کو یکے بعد دیگرے سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ نے مسترد کر دیا۔

مگر یہی درخواست ضمانت جب سپریم کورٹ میں پہنچی تو دو رکنی بینچ نے اس کیس سے ناقابل ضمانت دفعات خارج کر کے ملزم کی ضمانت منظور کر لی۔

قادیانی ملزم کے پانچ جرائم!

ملزم آئین و قانون کی رو سے پانچ الگ الگ جرائم کا مرتکب ہے:

۱. قادیانی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا۔
۲. مرزا قادیانی کے بیٹے کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' لکھنا۔
۳. قرآن پاک کا 'مسلمانوں کے اجماعی عقیدے کے خلاف ترجمہ شائع کرنا۔
۴. قرآن پاک کی غلط تفسیر شائع کر کے اہل اسلام کے جذبات مجروح کرنا۔
۵. قرآن پاک کو غیر قانونی مقاصد کے لیے استعمال کرنا۔

آئین کی رو سے اِن پانچوں جرائم کی مجموعی سزا کم از کم ۲۶/ سال قید بنتی ہے۔

سپریم کورٹ نے ان جرائم کی دفعات کو خارج کرنے کا حکم دیدیا۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ میں چند محل نظر اُمور!

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ میں چند چیزیں محل نظر ہیں:

۱. مطالبے کے باوجود سرکاری وکیل کو کیس کا مطالعہ کرنے کی مہلت نہ دینا۔
۲. مطالبے کے باوجود مدعی کے وکیل کو بولنے کی اجازت نہ دینا۔
۳. قرآنی آیت ''لا اکراہ فی الدین'' سے غلط استدلال۔
۴. قرآن پاک کی فکر و تدبر والی دو آیات سے خود ساختہ استدلال۔
۵. حفاظتِ قرآن سے متعلق آیت سے من گھڑت استدلال۔
۶. آرٹیکل ۲۰/ اور آرٹیکل ۲۲/ کا بے جا طور پر تذکرہ۔

۷. قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کو ۲۰۲۱ء کا قانون کہہ کر صریح جھوٹ بولنا۔
۸. قادیانی ملزم کے ''مذہبی'' جرم پر ایک ''اخلاقی'' جرم کی دفعہ آرٹیکل ۱۲/ لگانا۔
۹. ۱۹۹۳ء کے سپریم کورٹ کے لارجر بینچ کے فیصلے کو غیر مؤثر کرنے کی کوشش کرنا۔
۱۰. مذہبی مقدمات سے متعلق بے جا شکوے کو فیصلہ کا حصہ بنانا۔ وغیرہ

سپریم کورٹ کے اِس متنازعہ فیصلے پر مختلف حلقوں کی جانب سے ردعمل ظاہر ہوا تو سپریم کورٹ کے افسر تعلقات عامہ نے پریس ریلیز کے ذریعہ صفائی پیش کی، جسے تمام حلقوں نے مسترد کردیا۔

بعدازاں سپریم کورٹ کی طرف سے جاوید احمد غامدی سے بھی رائے طلب کی گئی، حالانکہ جاوید غامدی نہ تو قادیانیوں کی شرعی تکفیر کے قائل ہیں اور نہ قانونی! یعنی نہ دین اسلام مانتے ہیں نہ آئین پاکستان!

حضرت والدِ محترم کے خطبات!

والد محترم دام ظلہ کے چند ایک خطبات اس سے قبل بھی الگ الگ شائع ہو چکے ہیں۔ نیز اُن کے خطباتِ سیرت کا مجموعہ ''خطبات بشیر در سیرتِ سراج منیر'' بھی زیر ترتیب ہے۔ زیر نظر پانچ خطبات بھی اُن کے قیمتی خطبات کا ایک حصہ ہیں۔

اللہ رب العزت حضرت والدِ محترم اور تمام اکابر اہل حق کے علوم و فیوض سے ہمیں کما حقہ استفادہ کی توفیق دیں اور اُن کا سایہ تادیر صحت و ایمان کی سلامتی کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔ آمین

خادم اہل سنت حمزہ احسانی غفرلہ

۵/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۴۵ھ... ۱۴/ مئی ۲۰۲۴ء... منگل

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [النساء: 58]

قادیانیوں کے حق میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ

خطاب
مولانا عبدالحق خان بشیر نقشبندی

ناشر: حق چار یار اکیڈمی گجرات
0312-4612774

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(پہلا بیان)

قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہ وَکفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی !اَمَّابَعْدْ!اَعُوْذُبِاللّٰہِمِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَی أَھْلِھَا وَإِذَاحَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْکُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہِ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیعًا بَصِیرًا ﴾ [النساء: 58]

برادران اہل السنۃ والجماعۃ!

(ترجمہ) اے ایمان والو بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تمہارے پاس جو امانتیں موجود ہیں وہ امانتیں اُن کے حق داروں کی طرف لوٹا دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمہیں اس کام کی بہت اچھی طرح اور عمدہ نصیحت کرتا ہے اور بے شک اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

صدق اللہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذالک لمن الشاھدین والشاکرین، والحمدللہ رب العالمین

برادرانِ اہل السنۃ والجماعۃ، محترم بزرگو، قابلِ احترام ساتھیو، عزیز نوجوان بھائیو!

میں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کے پانچویں سپارے کے پانچویں رکوع سے ایک آیت کریمہ تلاوت کی ہے جس میں اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو دو ایسے حکم دیئے ہیں جو انسانی معاشرہ کی، انسانی سماج کی اجتماعی زندگی کے لئے اور ریاستی امن و سلامتی کے لئے بہت ضروری اور اہم ہیں، ان دونوں چیزوں کے بغیر نہ انسانی معاشرہ امن پاسکتا ہے اور نہ کوئی انسانی ریاست ترقی و سلامتی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔

(پہلا حکم): حقوق ان کے حق داروں کی طرف لوٹا دو!

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو پہلا حکم یہ دیا ہے کہ اے ایمان والو تمہارے پاس جس جس کی جو جو امانت موجود ہے، وہ اسی کے اصل حق دار تک پہنچا دو۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ امانت صرف مال یا چیزوں کی صورت میں ہوتی ہے، کسی نے کسی کے پاس پیسے امانت کے طور پر رکھوا دیئے، کسی نے زیور یا کوئی اور چیز امانت کے طور پر کسی کے پاس رکھوا دی۔ یہ بھی امانت ہیں لیکن ہمارے ذمہ جو حقوق اور فرائض ہیں وہ بھی ہمارے پاس امانت ہیں، انہیں لوٹانا بھی ہماری شرعی ذمہ داری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کسی کا راز بھی تمہارے پاس امانت ہے، اسے فاش کردو گے تو خائن کہلاؤ گے، فرائض و واجبات ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں ان کو احسن اور مسنون طریقہ سے ادا کرنا ہم پر لازم ہے۔ قرآن و سنت ہمارے پاس امانت ہیں، ان کا احترام، ان کی تعظیم اور ان کی اطاعت کرنا ہم پر لازم ہے، احکاماتِ شرعیہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی امانت ہیں ان کو پوری طرح بجالانا ہمارے لئے ضروری ہے۔ باہمی حقوق ہمارے پاس ایک دوسرے کی امانت ہیں، ان حقوق کو شرعی طریقہ سے ادا کرنا ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے۔ والدین پر اولاد کے حقوق امانت ہیں، اولاد پر والدین کے حقوق امانت ہیں، بیوی پر خاوند کے حقوق امانت ہیں، خاوند پر بیوی کے حقوق امانت ہیں، بہن بھائیوں کے آپسی حقوق، عزیز و اقرباء اور رشتہ داروں کے باہمی حقوق، بڑوں کے چھوٹوں پر حقوق، چھوٹوں کے بڑوں پر حقوق، رعایا کے حکمران پر حقوق، حکمران کے رعایا پر حقوق، سب امانت ہیں اور اس امانت کو اس کے اصل حق دار کی طرف لوٹانا ہم پر لازم و ضروری ہے جو مسلمان یہ حقوق ادا نہیں کرتا، امانتیں ان کے حق داروں کی طرف نہیں لوٹاتا وہ سخت گناہ گار اور

عنداللہ مجرم ہے اور عذاب وعتاب کا مستحق ہے۔

(دوسرا حکم): فیصلوں میں عدل وانصاف سے کام لو!

خداوند کائنات نے اس آیت کریمہ کے اندر دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ: اے ایمان والو! جب تم عدالت کی کرسی پر بیٹھو کسی پنچائیت یا جرگہ میں فیصل اور ثالث کی نشست پر بیٹھو، کسی کورٹ، کچہری میں قاضی اور جج کی مسند پر بیٹھو تو فیصلے عدل وانصاف کے ساتھ کرو، دیانت وامانت کے ساتھ کرو، اپنے فیصلوں کے اندر ظلم وناانصافی کی ڈنڈی نہ مارو، اور ظلم اور ناانصافی کی ڈنڈی مارنے کے لئے قرآن اور قانون میں چور راستے مت بنائو، مجرموں کو قانون شکنی اور جرائم کے لئے خفیہ راہداریاں مت فراہم کرو، قرآن اور قانون کی من گھڑت تعبیریں کرکے خدا کے غضب کو مت دعوت دو، عدل ،امن اور اخلاق کا راستہ اختیار کرو، خوف خدا اور فکرِ آخرت کو نظر انداز مت کرو، اور خدائے احکم الحاکمین کی عدالت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو اور انصاف و دیانت سے فیصلہ دو۔ ہر عقلمند اور دانشور مسلمان جانتا ہے کہ عدل وانصاف اور امانت و دیانت پر مبنی فیصلہ صرف وہ ہوسکتا ہے جو قرآن و سنت اور آئین و قانون کے مطابق ہو جو ایمان وضمیر اور امانت و دیانت کے تقاضے پورے کرنے والا ہو اور جو فیصلہ قرآن و سنت کی واضح تعلیمات کے خلاف ہو آئین اور قانون سے صریح متصادم ہو، اخلاق و دیانت کے منافی ہو، خوف، مفاد اور دبائو کے زیرِ اثر ہو وہ فیصلہ ظلم اور جبر کا فیصلہ ہوتا ہے، ناانصافی اور آمریت کا فیصلہ ہوتا ہے، وہ عدل اور انصاف کا فیصلہ کبھی نہیں کہلا سکتا۔

سپریم کورٹ کا ایک تازہ فیصلہ!

ایسا ہی ظلم وناانصافی پر مبنی ایک فیصلہ گزشتہ دنوں ہمارے سپریم کورٹ کے دو رکنی بینچ نے دیا ہے۔ اس فیصلہ کو اگر شعور اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ فیصلہ قرآن وسنت کے بھی خلاف نظر آتا ہے، پاکستان کے دستور اور آئین کے بھی منافی نظر آتا ہے اور اخلاق و دیانت سے بھی کسی صورت میل نہیں کھاتا۔ اس لئے سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ نہ کسی مسلمان کے لئے قابل قبول ہوسکتا ہے اور نہ کوئی محبت وطن پاکستانی اس فیصلہ کو تسلیم کرسکتا ہے اس فیصلہ کے اندر پارلیمانی فیصلوں کو بھی نظر انداز کیا گیا ہے۔ دستوری وآئینی فیصلوں سے بھی انحراف کیا گیا ہے اور قانونی وعدالتی فیصلوں

کا بھی خون کیا گیا ہے یہ فیصلہ نظریہ ضرورت اور بیرونی دبائو کے سایہ میں خدمات سرانجام دینے والی ہماری عدالتی تاریخ کا ایک اذیت ناک باب ہے، اس فیصلہ کے اندر قرآنی آیات میں بھی تفسیر بالرائے سے کام لیا گیا ہے، دستور پاکستان اور قانون پاکستان کی بھی من گھڑت تعبیرات اور تشریحات کے ذریعہ شکل بگاڑی گئی ہے، میں اس فیصلہ کے مختلف پہلو آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

زیرِ بحث مقدمہ توہین دین کا واقعاتی پسِ منظر!

لیکن پہلے میں اس مقدمہ کا واقعاتی پس منظر آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں جس مقدمہ کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا۔ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء میں ہماری پارلیمینٹ نے اتفاق رائے کے ساتھ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا۔ لیکن قادیانی اس کے بعد بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہے اور مسلمانوں کے اسلامی لٹریچر کو اپنے جھوٹے مذہب کی اشاعت کے لئے استعمال کرتے رہے، ۱۹۸۴ء میں قادیانیوں کے خلاف ایک اور قانون پاس ہوا کہ قادیانی مذہب کے لوگ نہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرسکتے ہیں اور نہ اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرسکتے ہیں۔

آج سے تقریباً ۶/سال قبل ۲۰۱۸ء میں جناب محمد حسن معاویہ کی طرف سے لاہور ہائی کورٹ کے اندر ایک درخواست دائر کی گئی کہ قادیانی گروہ کے کچھ لوگ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے قرآنِ پاک کا ایک ایسا ترجمہ و تفسیر شائع کرکے تقسیم کررہے ہیں جو تحریف شدہ ہے اور اس میں قرآن پاک کی تحریف معنوی کی گئی ہے، اس میں بہت سے مقامات پر ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے اور اس کے اندر عقائد و نظریات بھی ایسے بیان کئے گئے ہیں جو اُمتِ مسلمہ کے اجماعی اور متواتر عقائد کے خلاف ہیں۔ حکومت کی انتظامی مشینری اور ریاست کے ذمہ دار ادارے قادیانیوں کے اس غیر قانونی عمل کا کوئی نوٹس نہیں لے رہے۔ اس لئے عدالت عالیہ قادیانیوں کے اس غیر قانونی عمل کا نوٹس لے کیونکہ یہ عمل پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کے خلاف اور قانوناً جرم ہے۔ تقریباً ایک سال تک یہ کیس ہائی کورٹ کے اندر زیر سماعت رہا اور ایک سال بعد ۵/مارچ ۲۰۱۹ء کو ہائی کورٹ نے اس کیس کا فیصلہ سنایا اور حکم جاری کیا کہ قادیانی اگر تحریف شدہ قرآن تقسیم کررہے ہیں تو یہ قانوناً جرم ہے۔ لہٰذا ذمہ دار ریاستی ادارے فوراً اس کا نوٹس لیں اور ملزموں کے خلاف قانونی کاروائی کریں۔

قادیانیوں کی طرف سے توہینِ عدالت کا اعلانیہ اِرتکاب!

۵/مارچ کو لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا اور اگلے ہی دن ۶/مارچ کو قادیانیوں نے یہ اعلان کر دیا کہ کل ۷/مارچ کو چناب نگر کالج گراونڈ کی ایک تقریب میں مرزا بشیر الدین محمود کی تفسیر صغیر تقسیم کی جائے گی۔ یہ قادیانیوں کی طرف سے عدلیہ کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ تھا جو قانون کے مطابق کھلی توہین عدالت تھی، انہوں نے اپنے اس اعلان کے ذریعہ ریاست اور عدالت دونوں کو باور کرادیا کہ ہم اتنے پاور فل ہیں کہ جب چاہیں ہم پارلیمانی فیصلوں کو مسترد کردیں جب چاہیں ہم عدلیہ کے فیصلوں کی دھجیاں بکھیر دیں جب چاہیں ہم آئین اور قانون کو کچل ڈالیں، نہ حکومت ہمارا کچھ بگاڑ سکتی ہے، نہ عدالت ہم پر اپنا حکم چلا سکتی ہے بلکہ ہمارے مغربی سرپرست تو عدالتوں سے اپنی مرضی کے فیصلے کرا سکتے ہیں، قادیانیوں کا یہ اقدام حکومت اور عدالت دونوں کے لئے ایک کھلا چیلنج تھا، ہائی کورٹ کے عدالتی فیصلہ کے بعد ۴۸ گھنٹے کے اندر قادیانیوں نے اعلیٰ عدلیہ کے حکم اور فیصلہ کے خلاف اپنا ردعمل دیدیا۔ اور عدالت کو واضح طور پر بتادیا کہ ہماری پشت پر ایسی عالمی اور مقتدر ریاستی قوتیں موجود ہیں جو عدالت کا قلم موڑ سکتی ہیں جن کی وجہ سے پاکستان کا آئین و قانون ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، ریاستی اداروں کی یہ قومی اور قانونی ذمہ داری تھی کہ وہ فوری طور پر قادیانیوں کے اس باغیانہ اقدام کا نوٹس لیتے ان کے خلاف قانونی کاروائی کرتے، کیونکہ قادیانیوں کا یہ اقدام اب صرف ایک مذہبی جرم ہی نہیں تھا بلکہ ریاست کے خلاف کھلی بغاوت تھی، لیکن بدقسمتی سے ریاستی اداروں نے اپنی روایتی غفلت اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قادیانی ملزموں کے خلاف کوئی نوٹس نہیں لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قادیانیوں نے اگلے دن بڑی ڈھٹائی اور جسارت کے ساتھ اپنے اعلان کے مطابق کالج گرائونڈ میں برسرعام تفسیر صغیر تقسیم کی۔

چناب نگر تھانہ میں قادیانیوں کے خلاف تحریری درخواست!

جس دن قادیانیوں نے تفسیر صغیر تقسیم کرنے کا اعلان کیا اسی دن ۶ مارچ ۲۰۱۹ء کو جناب محمد حسن معاویہ نے چناب نگر تھانہ میں ایک تحریری درخواست جمع کرائی کہ ایک قادیانی مبارک احمد ثانی نے تفسیر صغیر تقسیم کرنے کا اعلان کیا ہے جو پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کے بھی خلاف ہے اور ہائی

کورٹ کے حکم کی بھی صریح خلاف ورزی ہے اس لئے ملزم کے خلاف فوری کاروائی کی جائے لیکن تھانہ کے عملہ اور چنیوٹ کی ضلعی انتظامیہ نے قادیانی ملزم کے خلاف کسی قسم کی کوئی کاروائی نہ کی جس کی وجہ سے قادیانی ملزم کا حوصلہ بڑھا اس کی جسارت بڑھی اور اس نے ۷/مارچ کو پورے دھڑلے اور پوری ہٹ دھرمی کے ساتھ چناب نگر کالج گرائونڈ میں مرزا بشیر الدین محمود کی تفسیر صغیر تقسیم کی۔ اس کیس کے مدعی جناب محمد حسن معاویہ نے اس تقریب کے تمام شواہد اور دستاویزی و ویڈیو ثبوتوں کے ساتھ پھر چناب نگر تھانہ کی طرف رجوع کیا اور ایف آئی آر درج کرنے کی درخواست دی اور ملزم کی گرفتاری کا مطالبہ کیا، مگر تھانہ والوں نے پھر بھی نہ ملزم کے خلاف ایف، آئی، آر درج کی اور نہ ملزم کو گرفتار کیا، تھانہ کے عملے کا یہ رویہ سراسر ظلم اور ناانصافی پر مبنی تھا اور قادیانی ملزم کے ساتھ غیر قانونی ہمدردی اور جانبدارانہ سلوک کے مترادف تھا۔

ضلعی انتظامیہ کی طرف سے جے، آئی، ٹی کمیٹی کا قیام!

ریاست و عدالت اور آئین و قانون کے خلاف قادیانیوں کی اتنی بڑی جسارت اور ہٹ دھرمی کا چرچا اور شہرہ جب پبلک میں ہوا اور عوام نے اس پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا تو چنیوٹ کی ضلعی انتظامیہ نے مدعی اور ملزم کے درمیان یعنی مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان ایک جے آئی ٹی کمیٹی قائم کردی، جس میں فریقین کے علاوہ ضلعی انتظامیہ کے اعلیٰ حکام بھی شامل تھے اس جے، آئی، ٹی جمیٹی کے رسمی اجلاس ہوتے رہے اور ایف آئی آر کا معاملہ لٹکتا چلا گیا، تقریباً ساڑھے ۳/سال بعد اس کمیٹی نے ۲۰۲۲ء میں مدعی کی درخواست انکوائری کی ساڑھے ۳سالہ کاروائی اور کمیٹی کی رپورٹ پنجاب قرآن بورڈز کو ارسال کردی تاکہ بورڈ اپنی رائے دے کہ مدعی کی درخواست کے مطابق ملزم کے خلاف مقدمہ بن سکتا ہے یا نہیں؟ ان ساڑھے ۳سالوں کے دوران مدعی کی طرف سے جے آئی ٹی کمیٹی کے سامنے جو تحریری مؤقف پیش کئے گئے، ملزم کے خلاف جو شواہد و ثبوت رکھے گئے وہ بھی پنجاب قرآن بورڈ کے سامنے پیش کردئے گئے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ پنجاب قرآن بورڈ ایک صوبائی ریاستی ادارہ ہے جس کا کام قرآن پاک کو لفظی اور معنوی اغلاط اور تحریف سے بچانے کے لئے آئینی اور قانونی اقدامات کرنا ہے تاکہ کوئی شخص یا کوئی ادارہ قصداً یا بلاقصد قرآن میں تغیر و تبدل نہ

کر سکے۔ قرآن بورڈ نے مدعی کی درخواست بھی دیکھی، مدعی کے تحریری موقف اور ثبوت و شواہد بھی دیکھے۔ ملزم کی طرف سے دی گئی وضاحتیں بھی دیکھیں۔ جے آئی ٹی کمیٹی کی رپورٹ بھی دیکھی اور فائل کا پورا مطالعہ کر کے چنیوٹ کی ضلعی انتظامیہ کو لیٹر بھیجا کہ قادیانی ملزم کا جرم قانونی طور پر قابل تعزیر ہے اس لئے مدعی کی درخواست پر ملزم کے خلاف ایف، آئی، آر، درج کی جائے چنانچہ پنجاب قرآن بورڈ کے اس لیٹر کے بعد دسمبر ۲۰۲۲ء میں ملزم کے خلاف ایف، آئی، آر، درج ہوئی۔

مرزا بشیر الدین محمود کی امارت اور قادیانی جماعت کی تقسیم!

میں یہ بات عرض کر دوں کہ مرزا بشیر الدین محمود، مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا تھا، مرزا قادیانی کی وفات کے بعد حکیم نور دین بھیروی مرزا قادیانی کا جانشین ہوا، اور حکیم نور دین بھیروی کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کے لئے دو امیدوار سامنے آئے، ایک مولوی محمد علی لاہوری اور دوسرا مرزا بشیر الدین محمود چونکہ قادیانیوں کی ڈنڈا بردار غنڈہ فورس ان کی باوردی عسکری قوت مرزا بشیر الدین کے ساتھ تھی اس لئے مرزا بشیر الدین یہ الیکشن جیت گیا اور آپ تو اس بات کا اچھا خاصہ تجربہ رکھتے ہیں کہ الیکشن وہی جیت سکتا ہے جس کے ساتھ عسکری قوت ہو جس کے ساتھ ڈنڈے اور وردی والے ہوں۔ ہمارے خطہ اور ہماری قوم کا سب سے بڑا المیہ ہی یہی ہے کہ الیکشن وہ جیتتا ہے جس کے پاس نوٹوں کی تجوریاں ہوں جس کے سر پر طاقت کی چھتری ہو، جس کے ساتھ ڈنڈا اور غنڈہ فورس ہو، قادیانی کی یہ فورس جب مرزا بشیر الدین کے ساتھ تھی تو کوئی دوسرا یہ الیکشن کیسے جیت سکتا تھا؟ اس لئے مرزا بشیر الدین، حکیم نور دین بھیروی کا جانشین بن گیا لیکن اس الیکشن اور انتخاب کی وجہ سے قادیانی جماعت دو گروہوں میں بٹ گئی، ایک گروہ نے مرزا بشیر الدین کو اپنا پیشوا بنا لیا اور اس کا مرکز قادیان ہی رہا، دوسرے گروہ نے مولوی محمد علی لاہوری کو اپنا پیشوا چن لیا اور اپنا مرکز لاہور منتقل کر لیا اسلئے پہلے گروہ کو قادیانی مرزائی اور دوسرے گروہ کو لاہوری مرزائی کہا جاتا ہے۔

علیحدگی کے لئے الگ شناخت ضروری ہوتی ہے!

ہر شخص جانتا ہے کہ جب ایک گروہ کسی جماعت سے الگ ہوتا ہے یا ایک جماعت کسی گروہ کو اپنے سے الگ کرتی ہے تو اس گروہ کے لئے اس جماعت سے الگ اپنی کوئی شناخت، اپنی الگ کوئی

پہچان بنانی ضروری ہوتی ہے اس کے اصول الگ ہوجاتے ہیں اس کا منشور الگ ہوجاتا ہے اس کا نصب العین اور پروگرام الگ ہوجاتا ہے اس کی تعلیمات اور عبادات الگ ہوجاتی ہیں اس کے عقائد و نظریات الگ ہوجاتے ہیں۔ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ صحابہؓ میں ایک ہی جماعت تھی جس کا نام اہل السنۃ والجماعۃ تھا، اسی جماعت کو حضور علیہ الصلوٰۃ وسلام نے جنتی اور ناجی جماعت قرار دیا۔ پھر خوارج اس جماعت سے الگ ہوئے اور ایک گروہ اور فرقہ بن گئے۔ ان کے اصول و عقائد بدل گئے ان کی شناخت بدل گئی، پھر معتزلہ کا گروہ جماعت اہل سنت سے الگ ہوا، اس کے اصول و عقائد بدل گئے۔ اس کی شناخت بدل گئی، پھر روافض کا گروہ جماعت اہل سنت سے الگ ہوا۔ اس کے اصول و عقائد بدل گئے اور آج تک اس کی شناخت جماعت اہل سنت سے الگ ہے چونکہ یہ تمام گروہ حضور علی الصلوٰۃ والسلام کو آخری نبی اور قرآن کو آخری وحی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس لئے اصول، عقائد اور شناخت الگ ہونے کے باوجود وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن پاک کو ہی اپنی تعلیم کا مرکز قرار دیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ کسی حد تک سچا یا جھوٹا ہے اس وقت یہ میرا موضوع نہیں، اس وقت میں صرف یہ بحث کر رہا ہوں کہ جو گروہ کسی جماعت سے الگ ہوتا ہے یا اسے الگ کیا جاتا ہے اس کے لئے اپنی الگ شناخت ضروری ہوجاتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اور حکیم نور دین بھیروی کی حیات میں قادیانی اور لاہوری دونوں گروہ ایک ہی تھے۔ دونوں مرزا غلام احمد کو نبی مانتے تھے، جب لاہوری گروہ قادیانی گروہ سے الگ ہوا تو اس نے اپنی شناخت بدلی اور اپنا عقیدہ و نظریہ بدلا۔

انہوں نے یہ عقیدہ و نظریہ قائم کیا کہ مرزا قادیانی نبی نہیں بلکہ مہدی اور مسیح موعود ہے جب کہ قادیانی گروہ آج بھی دھڑلے کے ساتھ مرزا قادیانی کو نبی مانتا ہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران دونوں گروہوں کے سربراہ پارلیمنٹ میں طلب کئے گئے۔ قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد اور لاہوری گروہ کے سربراہ مولوی صدرالدین پارلیمنٹ میں پیش ہوئے، ان کو صفائی کا پورا موقع دیا گیا۔ ۱۳ دن تک یہ کاروائی چلی اور پھر ان دونوں گروہوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔

قادیانی بھی اُمتِ مسلمہ سے الگ اپنی شناخت بنائیں!

یہی مطالبہ ہمارا قادیانی اور لاہوری گروہوں سے ہے کہ جب وہ امتِ مسلمہ اور ملتِ اسلامیہ سے کٹ چکے ہیں، تو پھر اپنی الگ شناخت بنائیں اور اپنی الگ پہچان بنائیں وہ ایک ایسی نبوت کے قائل ہیں جس نبوت کا اسلام اور قرآن میں کوئی تصور ہی نہیں وہ ایک ایسے شخص کو مہدی اور مسیح موعود مانتے ہیں جو ایک منصب پہ ٹکتا ہی نہیں۔ مینڈک کی طرح پھدکتا اور بندر کی طرح اچھلتا ہوا کبھی معاذ اللہ تعالیٰ خدائی کے منصب پر بیٹھ جاتا ہے کبھی نبوت کے منصب پر کبھی ولایت کے منصب پر اور کبھی مہدویت کے منصب پر کبھی وہ مرد بن جاتا ہے اور کبھی عورت۔ کسی ایسے مخبوط الحواس شخص کی نبوت یا ولایت ثابت کرنے کے لیے کون مسلمان قرآن کو دلیل بنانے کی اجازت دے گا؟ کوئی جج اور جسٹس اسے اظہار رائے کی آزادی سمجھے تو سمجھے کوئی مسلمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، اس لئے قادیانیوں کو مذہبی آزادی حاصل کرنے کے لئے پہلے اپنا مذہبی تشخص قائم کرنا ہوگا، اپنی الگ مذہبی شناخت قائم کرنی ہوگی، اپنا الگ مذہبی نصاب بنانا ہوگا، اپنے الگ مذہبی شعائر متعیّن کرنے ہوں گے۔ مسلمان کبھی بھی مذہبی آزادی کے نام پر انہیں اپنی شناخت اور اپنے شعائر اختیار کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

(۱) تفسیر صغیر کی تقسیم و اشاعت اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸سی!

میں عرض کر رہا تھا کہ قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی نے ہائی کورٹ کے حکم کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے اور اعلیٰ عدلیہ کا منہ چڑاتے ہوئے نہ صرف تفسیر صغیر کی تقسیم کا اعلان کیا بلکہ اسے علی الاعلان تقسیم بھی کیا۔ حالانکہ اس تفسیر کی اشاعت و تقسیم ریاست کے ۵/ قوانین توڑنے کے مترادف ہے سب جانتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو پارلیمنٹ کے ذریعہ بالاتفاق غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا مگر قادیانیوں نے اپنی اس اقلیتی حیثیت کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا، وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی ظاہر کرتے رہے، اسلام کے نام پر اپنی مذہبی تبلیغ انہوں نے جاری رکھی، اپنے عبادت خانہ کو مسجد قرار دیتے

رہے، مسلمانوں والا کلمہ ہی پڑھتے رہے، مسلمانوں کی اذان کو ہی اپنی اذان قرار دیتے رہے، مسلمانوں کے قرآن کو ہی اپنی مذہبی تبلیغ کا ذریعہ بناتے رہے، مسلمانوں کے اسلامی شعائر اختیار کرتے رہے، مسلمانوں کو یہ گوارا نہیں تھا، وہ قادیانیوں کو یہ حق دینے کے لئے قطعی طور پر تیار نہیں تھے اور یہ ایک بالکل سیدھی سی بات ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لئے مسلمانوں نے ۹۰سال تک جدوجہد کی، ۱۰ہزار سے زائد مسلمان شہید ہوئے، ہزاروں علماء نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور ۹۰سال کے بعد مسلمانوں کا یہ مطالبہ مانا گیا اگر اس کے بعد بھی انہوں نے کلمہ ہمارا ہی پڑھنا ہے، اذان ہماری ہی دینی ہے، اپنے جھوٹے مذہب کی تبلیغ کے لئے سہارا ہمارے ہی قرآن کا لینا ہے، شناخت ہماری ہی رکھنی ہے تو ہماری ۹۰/سالہ قربانیوں کا کیا مقصد؟ مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ ان کی نبوت مسلمانوں سے الگ ہے تو ان کی مذہبی شناخت بھی مسلمانوں سے الگ ہونی چاہیے، ان کا مذہبی تشخص بھی مسلمانوں سے الگ ہونا چاہئے، ان کو مسلمانوں کا مذہبی تشخص اور مسلمانوں کی مذہبی شناخت اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں، قرآن مسلمانوں کی شناخت ہے، مسجد مسلمانوں کی شناخت ہے، کسی دوسرے مذہب کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے مذہب کے لئے مسلمانوں کی شناخت اختیار کرے، لیکن قادیانی ایسا کرتے رہے جس پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا،

مسلمانوں کے اس احتجاج کے نتیجہ میں ۱۹۸۴ء کی تحریک ختم نبوت کے اندر صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق شہید نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ قادیانیوں کے دونوں گروہوں پر پابندی عائد کردی کہ ان میں سے کسی گروہ کے کسی آدمی نے اگر اپنے آپ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلمان ظاہر کیا، اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کیا، اپنے قادیانی مذہب کی تبلیغ و تشہیر کی، دوسروں کو اپنے مذہب کی دعوت دی تو اس کو ۳/سال قید اور جرمانہ کی سزا ہوگی، یہ آرڈیننس ۱۹۸۴ء میں پاس ہوا اور پھر ۱۹۸۵ء کی اسمبلی نے اس کی منظوری دیدی، اور یہ قانون تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/سی بن گیا، اس قانون کے تحت قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کے جرم میں ۳/سال قید اور جرمانہ کی سزا کا مستحق ہے، وہ دستور پاکستان سے بغاوت کرتے ہوئے اپنی

اقلیتی حیثیت کو تسلیم نہیں کر رہا۔

(۲) تفسیر صغیر کی اشاعت و تقسیم اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ بی

قادیانی ملزم کا دوسرا جرم یہ ہے کہ اس نے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ بی کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس قانونی دفعہ کے اندر یہ صراحت کی گئی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد ماننے والے قادیانی و لاہوری دونوں گروہوں کا جو آدمی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء اور صحابہ کے علاوہ کسی شخص کو رضی اللہ عنہ کے لقب سے منسوب کرے گا، اس کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھے گا وہ ۳/سال قید اور جرمانہ کی سزا کا مستحق ہوگا، ہر مسلمان جانتا ہے کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ وہ لقب ہے جو خداوند کائنات نے قرآن پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو عطا فرمایا ہے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، یہ ان کے لئے صحبتِ نبوت اور معیت رسالت کا صلہ ہے، لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے مرزا قادیانی کی نبوت کو مان کر اس کے ہاتھ پر نبوت کی بیعت کرنے والوں کو معاذ اللہ تعالیٰ صحابی بھی کہتے ہیں، اور ان کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ بھی لکھتے ہیں، شرعی طور پر یہ ایک سنگین اور عظیم جرم ہے، اس لئے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/بی میں اسے قانونی جرم بھی قرار دیدیا گیا اور اس کے لئے ۳/سال قید اور جرمانہ کی سزا مقرر کردی گئی، قادیانی ملزم نے جو تفسیر صغیر تقسیم کی اس کے ٹائٹل پر اور تفسیر کے آخر میں صفحہ ۸۵۳/ پر مرزا بشیر الدین کے نام کے ساتھ معاذ اللہ تعالیٰ، رضی اللہ عنہ لکھا ہے جو شرعاً بھی جرم ہے اور قانوناً بھی جرم ہے۔

(۳) تفسیر صغیر کی اشاعت و تقسیم اور پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱!

قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی کا تیسرا جرم یہ ہے کہ اس نے پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کی خلاف ورزی کی ہے، قادیانی گروہ اپنے جھوٹے مذہب کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ہمیشہ ایسا لٹریچر شائع اور تقسیم کرتا رہتا ہے جس میں قرآنی آیات کا غلط ترجمہ، ان کی من گھڑت تفسیر، احادیث مبارکہ کا خانہ ساز اختراعی مفہوم اور اسلاف اُمت کے اقوال میں قطع و برید کرکے ان سے اپنا باطل مذہب ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ طریقہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اختیار کیا اور اس کے بعد

اس کی امت کا راستہ بھی یہی رہا، قادیانی گروہ کی اس جسارت اور عیاری کا راستہ روکنے کے لئے ۲۰۱۱ء میں صوبہ پنجاب کے اندر حکومت پنجاب کی طرف سے پنجاب ہولی قرآن ایکٹ نافذ کیا گیا، اس ایکٹ کے سیکشن ۷ اور سیکشن ۹ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ کوئی غیر مسلم خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا سکھ، پارسی ہو یا قادیانی قرآن پاک یا قرآن پاک کی کسی آیت کا ایسا ترجمہ یا تفسیر کرے گا جو مسلمانوں کے اجماعی و متواتر عقائد و نظریات کے خلاف ہو تو اسے ۳ سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانہ کی سزا ہوگی۔ قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی نے جو تفسیر صغیر شائع اور تقسیم کی ہے اس کے اندر بیسیوں مقامات پر قرآنی آیات کا ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے اور ان آیات کی تفسیر بھی غلط کی گئی ہے اس لئے اس تفسیر کی تقسیم کرنا بھی اس کا قانونی جرم ہے اور وہ اس جرم کے تحت ۳ سال قید اور جرمانہ کی سزا کا مستحق ہے۔

(۴) تفسیر صغیر کی اشاعت و تقسیم اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ اے!

قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی کا چوتھا جرم یہ ہے کہ وہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ اے کی خلاف ورزی کا بھی مرتکب ہوا ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم کو اگر کوئی غیر مسلم اپنے غلط اور مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرے تو مسلمانوں کے دینی جذبات مجروح ہوتے ہیں، اگر کوئی یہودی سیدنا عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینے کا اپنا غلط عقیدہ قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرے تو یقینا مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں گے، اگر کوئی عیسائی اپنا عقیدہ تثلیث قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرے تو یقینا مسلمانوں کے دینی احساسات پامال ہوں گے، اگر کوئی ہندو اپنی بت پرستی قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرے یا کوئی سکھ بابا گرو نانک کو خدا کا اوتار ثابت کرنے کے لئے قرآن کا سہارا لے تو لازمی طور پر مسلمان دلی تکلیف محسوس کریں گے، اسی طرح اگر قادیانی گروہوں کے لوگ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت یا اس کا مہدی و مسیح موعود ہونا قرآنی آیات کے خود ساختہ مفہوم کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کریں تو یقینی طور پر مسلمانوں کی دل آزاری ہوگی، مسلمانوں کے ایمانی جذبات مجروح ہوں گے، قادیانی لوگ اگر ضعیف و موضوع احادیث کے ذریعہ یا

صحیح احادیث کے من گھڑت اختراعی مفہوم کے ذریعہ اپنا باطل و فاسد عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کریں تو مسلمانوں کے جذبات و احساسات برانگیختہ ہوں گے، ان میں اشتعال و اضطراب پیدا ہوگا، قادیانیوں کو مسلمانوں کی اس دل آزاری سے روکنے کے لئے اور ان کے اس جرم کا دروازہ بند کرنے کے لئے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵اے تیار کی گئی جس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ جو شخص کسی جماعت کے مذہبی جذبات کو تقریری یا تحریری صورت میں یا خاکوں اور اشاروں کی صورت میں مجروح یا پامال کرنے کی کوشش کرے تو اسے ۳سال سے ۱۰سال تک کی قید اور جرمانہ کی سزا ہو سکتی ہے، قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی نے تفسیر صغیر کی تقسیم کے ذریعہ اس قانون کی بھی خلاف ورزی کی ہے اور وہ کم از کم ۳سال قید کی سزا کا مستحق ہے۔

(۵) تفسیر صغیر کی اشاعت و تقسیم اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵بی!

قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی کا پانچواں جرم یہ ہے کہ اس نے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵بی کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا ہے، کسی بھی ریاست اور حکومت کی یہ اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ریاست میں غیر قانونی اقدامات کا راستہ روکنے اور جرائم کا دروازہ بند کرنے کے لئے سخت ترین اقدامات اٹھائے اور ان اقدامات پر سختی سے عمل کرے، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لئے مناسب قانون سازی کرے اور عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان قوانین پر عمل کرے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ریاست نے پارلیمنٹ کے اتفاق رائے سے قادیانیوں کا غیر مسلم ہونا تسلیم کیا۔ ان پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کی پابندی عائد کی، ان پر اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنے مذہب کی تبلیغ کو ممنوع قرار دیا، ان کے مسلمانوں کی عبادات اور مسلمانوں کے دینی شعائر اختیار کرنا جرم قرار دیا۔ لیکن ہماری عدالت عظمیٰ بدقسمتی سے ان قوانین پر عمل کرنے کی بجائے قادیانیوں اور توہینِ رسالت کے مرتکب دوسرے غیر مسلموں کو ریلیف دے رہی ہے جو قانون شکنی کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ قرآن مسلمانوں کی مقدس کتاب بھی ہے، مسلمانوں کی اسلامی تعلیم کا بنیادی اصول بھی ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا مذہبی شعار بھی ہے، اس لئے ریاست پاکستان نے

تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵بی کے ذریعہ یہ قانون بنایا کہ جو شخص قرآن پاک کی توہین کا مرتکب ہوگا۔ معاذ اللہ تعالیٰ قرآن کی بے حرمتی کرے گا یا قرآن پاک کو اپنے غیر قانونی مقاصد کے لئے استعمال کرے گا، اسے عمر قید کی سزا دی جائے گی، قادیانی ملزم نے تفسیر صغیر تقسیم کرکے قرآن پاک کو اپنے غیر قانونی مقاصد کے لیے قانون استعمال کیا ہے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیتا ہے۔ قادیانی ملزم نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے قرآن کو اپنے غیر قانونی مقصد کے لئے استعمال کیا ہے اس لئے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵/بی کے تحت وہ عمر قید کی سزا کا مستحق ہے۔

قادیانی ملزم کم از کم ۲۶ سال قید کی سزا کا مستحق ہے!

قانون سے واقفیت یا میڈیا سے تعلق رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس ملزم پر اس کے جرائم کے حوالہ سے جتنی قانونی دفعات لاگو ہوتی ہیں، اسے ہر قانونی دفعہ کے تحت ہر جرم کی الگ الگ سزا دی جاتی ہے، امریکی عدالت نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی پر ڈھیر ساری قانونی دفعات عائد کرکے اور جھوٹے قانون عائد کرکے اسے ۸۶/سال قید کی مجموعی سزا سنائی ہے اور وہ تقریباً دو دہائیوں سے امریکی قید میں ہے۔ پاکستانی حکومت اور ریاست کے مقتدر ادارے غفلت اور بے غیرتی کی نیند سو رہے ہیں، کوئی مقتدر ادارہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کے لئے فکر مند اور سرگرم نظر نہیں آتا، ہماری تمام مقتدر قوتیں ملعونہ آسیہ جیسی توہین رسالت کی مجرمہ اور گستاخ و قانون شکن قادیانیوں کو ریلیف دینے کے چکر میں رہتی ہیں، ان کی بے غیرتی اور بے حمیتی ہر حد سے تجاوز کرچکی ہے، میں عرض کرچکا ہوں کہ قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی ۵ الگ الگ جرائم کا مرتکب ہوا ہے، ان جرائم کے حوالہ سے وہ کم از کم ۲۶ سال قید کا مستحق ہے۔ اس نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے اپنے مذہب کی تبلیغ و تشہیر کی۔

اس جرم کے تحت وہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸سی کا مجرم ہے، جس کی سزا ۳/سال قید ہے۔ اس نے مرزا بشیر الدین محمود کو معاذاللہ تعالیٰ ”رضی اللہ عنہ“ لکھ کر تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۸بی کو توڑا، جس کی سزا ۳سال قید ہے۔ کتنی سزا ہوگئی؟ ۶سال اس نے تحریف شدہ قرآن تقسیم کیا اور پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کا مجرم بنا جس کی سزا اس وقت ۳سال قید تھی، کتنی سزا

ہوگئی ؟۹/ سال! اس نے ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف عدالتی حکم کو ٹھکرایا بلکہ مسلمانوں کے ایمانی و دینی جذبات کو مجروح و پامال کیا اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵اے کا مجرم بنا، جس کی سزا ۳/ سال سے ۱۰سال تک قید ہے، اگر اس جرم کی کم سے کم سزا یعنی ۳سال شامل کی جائے تو کتنی سزا ہوگئی ؟۱۲سال۔ اور اس نے قرآن پاک کا غیر قانونی استعمال کر کے اپنے قانونی کفر کو چھپانے کی کوشش کی، اور تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵/بی کا مجرم بنا، جس کی سزا عمر قید ہے۔ اور میری معلومات کے مطابق عمر قید کی سزا کا اطلاق ۱۴سال پر ہوتا ہے۔ یعنی عمر قید کی سزا ۱۴سال ہے۔ کتنی سزا ہوگئی ؟ ۱۲ اور ۱۴؟ ۲۶سال! یعنی اس قادیانی ملزم کے ۵ جرائم کی مجموعی سزا کم از کم ۲۶سال بنتی ہے اور وہ ۲۶سال کی سزا کا حق دار ہے۔

سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ سے ملزم کی درخواست ضمانت مسترد!

اب آئیے مقدمہ کی کاروائی کی طرف واپس لوٹتے ہیں، پنجاب قرآن بورڈ کے لیٹر پر ۶ دسمبر ۲۰۲۲ء کو قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی کے خلاف تھانہ چناب نگر میں ایف، آئی، آر، درج ہوئی، ذہن میں رکھئے مدعی کی طرف سے ملزم کے خلاف درخواست ۶ مارچ ۲۰۱۹ء کو دی گئی اور پورے پونے چار سال بعد ایف، آئی، آر، درج ہوئی اور ایف آئی آر درج ہونے کے پورے ایک ماہ بعد ۷ جنوری ۲۰۲۳ء کو ملزم گرفتار ہوا، گرفتاری کے بعد ملزم نے اپنا آئینی حق استعمال کرتے ہوئے سیشن کورٹ میں ضمانت کی درخواست دی۔ مارچ ۲۰۱۹ء سے لے کر دسمبر ۲۰۲۲ء تک مدعی نے اپنے جو تحریری موقف جمع کرائے تھے، مدعی کی درخواست پر وہ تمام تحریریں مقدمہ اور چالان کا حصہ بنائی گئیں جس کی وجہ سے ملزم پر مزید قانونی دفعات بھی عائد کی گئیں۔ جو سب ناقابل ضمانت تھیں یعنی پنجاب ہولی قرآن ایکٹ جو ایف آئی آر میں درج تھا۔ اور دفعہ ۲۹۵اے اور دفعہ ۲۹۸بی جو چالان میں درج تھیں یہ تینوں دفعات ناقابل ضمانت تھیں۔ اس لیے جون ۲۰۲۳ء میں سیشن کورٹ نے ملزم کی درخواست ضمانت مسترد کر دی۔ اپنا آئینی و قانونی حق استعمال کرتے ہوئے ملزم نے ہائی کورٹ کی طرف رجوع کیا، چونکہ ملزم کے خلاف تمام قانونی دفعات ناقابل ضمانت تھیں، اس لئے نومبر ۲۰۲۳ء میں ہائی کورٹ نے بھی ملزم کی درخواست ضمانت ری جیکٹ کر دی۔

ملزم کا سپریم کورٹ کی طرف رجوع!

ہائی کورٹ سے ضمانت ریجیکٹ ہونے کے بعد قانونی پروسیجر کے مطابق ملزم کو سپریم کورٹ کی طرف رجوع کا آئینی و قانونی حق تھا۔ اس لئے وہ اپنی ضمانت کی درخواست لے کر سپریم کورٹ چلا گیا، سپریم کورٹ نے اس کیس کی سماعت کے لیے چیف جسٹس جناب قاضی فائز عیسیٰ اور جناب جسٹس مسرت ہلالی پر مشتمل ایک دو رکنی بینچ بنادیا اور کیس کی سماعت کے لیے اچانک ۶ فروری ۲۰۲۴ء کی تاریخ مقرر کردی اور مقررہ تاریخ پر فریقین کو طلب کرلیا۔

چیف جسٹس کا سرکاری وکیل کو مہلت دینے سے انکار!

چونکہ ایسے کیسوں میں ریاست بھی فریق ہوتی ہے اس لئے اس کیس میں بھی ریاست فریق تھی۔ ریاست کی طرف سے سرکاری وکیل عدالت میں پیش ہوا اور اس نے عدالت کے سامنے درخواست پیش کی کہ مجھے ریاست کی طرف سے کل ہی اس کیس کا وکیل مقرر کیا گیا ہے، اس لئے میں اس کیس کا ابھی تک تفصیلی اور ضروری مطالعہ نہیں کرسکا۔ لہٰذا مجھے کیس کی اسٹڈی کے لئے چند دن کی مہلت دی جائے، لیکن جناب چیف جسٹس نے سرکاری وکیل کو کیس کی تیاری کے لئے مہلت دینے سے انکار کردیا اور فرمایا ہمیں آج ہی اس کیس کو نمٹانا ہے اس لیے مزید مہلت نہیں دی جاسکتی۔ ریاستی اہل کاروں کی طرف سے یہ ایک سازش تھی یا غفلت؟ میں نہیں جانتا، اللہ ہی جانتا ہے ،لیکن سرکاری وکیل کو اگر وقت پر ریاست کی طرف سے تیار نہیں کیا گیا۔ اسے کیس کی فائل وقت پر نہیں دی گئی۔ اسے تیاری کرنے کا موقع نہیں دیا گیا تو قانونی اور اخلاقی طور پر اسے کیس کا مطالعہ کرنے کی مہلت ملنی چاہیے تھی۔ جلد بازی کے لئے اخلاق اور انصاف کے تقاضوں کو بالکل نظر انداز کردینا کسی صورت بھی عدل نہیں کہلا سکتا، یہ ظلم و ناانصافی، اخلاق و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے اور انصاف کے سب سے اونچے منصب پر بیٹھے کسی قاضی اور جسٹس کو یہ زیب نہیں دیتا۔

چیف جسٹس کا مدعی کے وکیل کو سننے سے انکار!

چیف جسٹس نے پہلا ستم تو یہ ڈھایا کہ سرکاری وکیل کو مہلت دینے سے انکار کردیا۔ اور دوسرا

ستم یہ ڈھایا کہ مدعی کے وکیل کو بولنے کی اجازت نہیں دی، مدعی کا وکیل جو شروع سے یہ کیس لڑتا آرہا تھا۔ اس نے عدالت کے سامنے وضاحت کرنے کی اجازت مانگی، مگر چیف جسٹس نے یہ کہہ کر اسے خاموش کر دیا کہ مدعی کون ہوتا ہے دعویٰ کرنے والا۔ یہ ریاست کا کیس ہے اور اس میں ریاست ہی مدعی ہو سکتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ قانون چیف جسٹس کو اس جارحانہ رویہ کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ وہ قانونی طور پر سرکاری وکیل کو مہلت دیئے بغیر اور مدعی کے وکیل کو وضاحت کا موقع دیئے بغیر یک طرفہ فیصلہ دینے کا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ لیکن میں اتنی بات پورے یقین و اعتماد کے ساتھ کر سکتا ہوں کہ شرعی و اخلاقی اصولوں اور انصاف و دیانت کے تقاضوں کے حوالہ سے چیف جسٹس کا یہ رویہ بالکل غلط، سراسر جانبدارانہ اور انتہائی نامناسب ہے، سرکاری وکیل کو اگر سرکار کی طرف سے کیس دینے میں تاخیر برتی گئی تو یہ سرکار کی غلطی تھی اور سرکار کی سازش یا غفلت کا اثر کیس پر نہیں پڑنا چاہئے تھا۔ اخلاق و انصاف کے تقاضوں کے تحت سرکاری وکیل کو کیس کی تیاری کے لئے چند دن کی مہلت ملنی چاہئے تھی۔ کون سی آگ لگی ہوئی تھی کہ چیف جسٹس اخلاق، انصاف اور دیانت کے تمام تقاضے بھول گئے؟

کیا مدعی کا اس کیس میں مدعی بننا قانوناً غلط تھا؟

اور پھر جناب چیف جسٹس کا یہ کہنا بھی ناقابل فہم ہے کہ مدعی کون ہوتا ہے دعویٰ کرنے والا یہ صرف ریاست کا کیس ہے اور یہ فرمانِ شاہی جاری کر کے جناب چیف جسٹس نے مدعی کے وکیل کو سننے سے ہی انکار کر دیا۔ حالات و تناظر کی روشنی میں جناب چیف جسٹس کا یہ جارحانہ رویہ اخلاق و دیانت اور عدل و انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے کیونکہ مدعی کا وکیل سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ میں یہ کیس لڑ چکا تھا۔ اور ابھی یہ کیس زیر سماعت ہے، سیشن کورٹ میں اس کیس کی سنوائی ہو رہی ہے اور وہی وکیل وہ کیس لڑ رہا ہے۔ اس لئے سپریم کورٹ کے سامنے وہ اپنے موقف کی بہتر اور اچھی وضاحت کر سکتا تھا، لیکن جناب چیف جسٹس آپ شاید کیس کے ۵/ پہلوئوں پر پوری توجہ نہیں دے سکتے۔

۱. مدعی ہی تھا جس نے تھانہ میں ملزم کے خلاف درخواست دی، اسی درخواست پر پونے

چار سال انکوائری چلی، اگر یہ ریاست ہی کا کیس تھا اور مدعی کو اس میں مدعی بننے کا کوئی قانونی حق ہی نہیں تھا تو کیوں پونے چار سال تک اس کا وقت برباد کیا گیا؟ کیوں اس درخواست پر جے آئی ٹی کمیٹی بنی؟ کیوں اس درخواست پر پونے چار سال انکوائری چلی؟ اور کیوں پونے چار سال بعد اسی مدعی کی اسی درخواست پر ایف آئی آر کٹی؟ کیا وہ پولیس افسران اور پوری ضلعی انتظامیہ قانون سے ناواقف تھے؟ کیوں انہوں نے اس درخواست پر ملزم کے خلاف مقدمہ تیار کیا؟

۲. جناب چیف جسٹس آپ اس کیس کے اندر اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر رہے ہیں کہ یہ کیس اصل میں توہین عدالت کا کیس تھا، قادیانی ملزم نے ہائی کورٹ کے فیصلہ اور حکم کو للکارا تھا۔ اعلیٰ عدلیہ کے فیصلہ کی دھجیاں بکھیری تھیں، اس کا نوٹس تو آپ کی عدلیہ کو لینا چاہئے تھا، لیکن آپ کی عدلیہ کا تو غصہ بھی مدعی پر اور اس کا قانون بھی مدعی کے خلاف، توہین عدالت کرنے والا مظلوم اور بے چارہ، اور ناموسِ عدالت بچانے والے کا کوئی حق ہی نہیں۔

۳. جناب چیف جسٹس آپ کیس کے اندر تیسری چیز یہ نظر انداز کر رہے ہیں کہ یہ کیس درحقیقت پنجاب قرآن بورڈ کا تھا، کیونکہ پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء اسی قرآن بورڈ کا بنایا ہوا ہے۔ اور آپ بھی جانتے ہیں کہ پنجاب قرآن بورڈ ریاست ہی کا ادارہ تھا اور اسی ریاستی ادارہ نے مدعی کی درخواست پر ملزم کے خلاف ایف، آئی، آر، درج کرنے کا لیٹر لکھا اور اسی لیٹر پر ایف آئی آر درج ہوئی، کیا پنجاب قرآن بورڈ کا ریاستی و سرکاری ادارہ بھی اس قانون سے ناواقف تھا؟ اس کو بھی خبر نہ تھی کہ یہ حق تو صرف ریاست کا ہے؟ عام آدمی اس میں مدعی نہیں بن سکتا؟

۴. جناب چیف جسٹس آپ کیس کے اندر چوتھی چیز یہ نظر انداز کر رہے ہیں کہ یہ کیس ابھی تک سیشن کورٹ میں زیر سماعت ہے اور وہاں کیس کا مدعی اب بھی وہی ہے جسے آپ اس قانونی حق سے محروم کر رہے ہیں، کیا سیشن کورٹ میں بیٹھا جج بھی اس قانون سے بے خبر

ہے اور تقریباً سوا سال سے وہ ایک ایسے کیس کی مسلسل سماعت کئے جا رہا ہے جس کیس کی بنیاد ہی کوئی نہیں؟ اور پھر یہی کیس ضمانت کے لئے ہائی کورٹ کا چکر بھی لگا آیا ہے اور ان ججوں کی ناواقفیت کا عالم یہ ہے کہ وہ اس ملزم کی ضمانت مسترد کر رہے ہیں جس کے خلاف کیس کی بنیاد ہی غیر قانونی ہے؟

۵. جناب چیف جسٹس آپ اس کیس کے اندر پانچویں چیز یہ نظر انداز کر رہے ہیں کہ اس کیس کا ملزم اور اس کی لیگل ٹیم بھی اس قانون سے بے خبر ہے، وہ کسی مقام پر یہ سوال نہیں اٹھا رہی کہ یہ ریاست کا کیس ہے، مدعی کو اس کیس کا مدعی بننے کا قانونی طور پر کوئی حق ہی نہیں؟ وہ بھی تھانہ سے سپریم کورٹ تک بلاوجہ دھکے کھا رہے ہیں۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں!

جناب چیف جسٹس اپنے اس جارحانہ اور نامناسب رویہ پر تھوڑا سا غور کیجیے، آخر آپ ملزم کے پلڑے میں اپنا وزن ڈال کر قوم کو باور کیا کرانا چاہتے ہیں، چنیوٹ ضلع کے پولیس افسران قانون نہیں جانتے، وہاں کی ضلعی انتظامیہ قانون نہیں جانتی، پنجاب قرآن بورڈ نہ ہی قانون جانتا ہے اور نہ ہی اپنا حق پہچانتا ہے، سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج قانون نہیں جانتے، ملزم کی لیگل ٹیم قانون نہیں جانتی، خدارا اپنے اس جارحانہ اور نامناسب رویہ پر صرف ایک سنجیدہ نظر ڈالئے کہ آپ اپنے اس رویہ کے ذریعہ قادیانیوں اور دوسری اسلام دشمن قوتوں کو کہیں غیر شعوری طور پر قانون شکنی کے چور راستے تو نہیں دکھا رہے؟ بخدا ہم آپ پر قادیانیت نوازی یا اسلام دشمنی کا کوئی الزام عائد نہیں کر رہے لیکن آپ بھی اپنے فیصلہ پر سنجیدہ نظر ڈالیں گے تو آپ کو بھی صاف محسوس ہوگا کہ آپ کا یہ فیصلہ قادیانیوں کی اسلام دشمنی اور ان کی قانون شکنی میں معاون و مددگار ضرور ثابت ہو سکتا ہے، ان کو اس فیصلہ کے اندر قانونی حوالہ سے ایسے چور راستے مل سکتے ہیں جن کی انہیں عرصہ سے تلاش ہے اور جن کے ذریعہ وہ آئین و قوانین کو غیر موثر بنانا چاہتے ہیں۔

چیف جسٹس کا آیت اکراہ فی الدین سے غلط استدلال!

مجھے بڑے دکھ سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جناب چیف جسٹس کا اس کیس کے اندر صرف رویہ ہی

نامناسب نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنے غلط فیصلہ کے لئے قرآنی آیات سے بھی جو استدلال کیا ہے، اہل علم کے نزدیک اصول شرعیہ کی روشنی میں وہ تفسیر بالرائے ہے جو یا تو جہالت کے زمرہ میں آتی ہے یا تحریف قرآن شمار ہوتی ہے، کیونکہ عام طور پر عقل پرست اور منکرین حدیث قرآنی آیات سے ایسے استدلال ہی کرتے ہیں، جناب چیف جسٹس اپنے فیصلہ میں فرماتے ہیں کہ... عقائد کے معاملہ میں عدالتوں کو ہمیشہ احتیاط سے کام لینا چاہئے، کیونکہ اسلامی عقیدہ کی بنیاد اس آیت پر ہے۔... اس کے بعد انہوں نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ کا حوالہ دیا ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ﴾ [البقرة: 256] دین میں کوئی جبر نہیں۔ ﴿قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ [البقرة: 256] کیونکہ ہدایت اپنی واضح صورت میں ظاہر ہو چکی ہے اور یہ ہدایت سرکشی اور جہالت پر غالب آچکی ہے، اگر اس آیت سے جناب چیف جسٹس وہ استدلال کر رہے ہیں جو میں سمجھ رہا ہوں تو واللہ اس استدلال کو کوئی ہوش مند اور باشعور مسلمان قبول نہیں کر سکتا، میں اس آیت سے جناب چیف جسٹس کا جو استدلال سمجھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ دین کے اندر جبر کسی قسم کا جبر نہیں ہے اس لیے قادیانی اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو انہیں قانونی ذریعہ سے بھی روکنا اکراہ فی الدین ہے... قادیانی اگر معاذ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے اندر تحریف کے مرتکب ہو رہے ہیں تو ان کے خلاف ایف آئی آر درج کرانا بھی اکراہ فی الدین ہے۔... قادیانی اگر توہین قرآن یا توہین رسالت کے جرم میں ملوث ہیں تو ان کے خلاف قانونی کاروائی کرنا بھی اکراہ فی الدین ہے۔... قادیانی اگر اعلانیہ قانون شکنی کر رہے ہیں تو انہیں قانونی طریقہ سے روکنا بھی اکراہ فی الدین ہے۔... اور قرآن اس جبر سے روکتا ہے کیونکہ اسلام کے اندر اس جبر کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔

اکراہ فی الدین میں تمام ریاستی ادارے ملوث ہیں!

اگر جناب چیف جسٹس کا اس آیت سے استدلال یہی ہے اور ان کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا استدلال یہی ہے کیونکہ وہ اس کی دعوت پبلک اور عوام کو نہیں دے رہے بلکہ عدالتوں کو یہ اصول اور ضابطہ دے رہے ہیں کہ عدالتیں مذہبی مقدمات اور عقائد و نظریات کے کیسوں میں قرآن مجید کی اس آیت کو سامنے رکھیں۔ میں حیران ہوں کہ وہ اس استدلال کے ذریعہ ریاست اور عوام کو

کس ڈگر پر لے جانا چاہتے ہیں؟ وہ عدالتوں کو آخر کس احتیاط کی دعوت دے رہے ہیں؟ وہ حکومت، ریاستی انتظامیہ اور عدلیہ کو پیغام کیا دینا چاہتے ہیں؟ یہ کہ اگر ریاست کے ذمہ داران اس آیت پر غور کرتے تو قادیانی ملزم کے خلاف ایف آئی آر درج نہ کرتے؟ پارلیمنٹ اگر اس آیت پر غور کرتی تو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیتی؟... قادیانیوں پر اسلامی شعائر کے اختیار کرنے کی پابندی عائد نہ کرتی؟... عدالت عظمیٰ کا پانچ رکنی لارجر بنچ اس آیت پر غور کرتا تو پارلیمنٹ کے فیصلہ کی توثیق نہ کرتا؟... اس آیت پر نہ پارلیمنٹ نے غور کیا، نہ عدالت عظمیٰ کے لارجر بنچ کو اس آیت پر غور کرنے کی توفیق ملی؟... نہ ریاستی انتظامیہ کو اس آیت پر غور کرنے کا شعور حاصل ہوا؟... نہ سیشن جج کو اس آیت پر غور کرنے کی سعادت ملی؟... نہ ہائی کورٹ کے ججوں کو اس آیت پر غور کرنے کا شرف ملا؟... یہ توفیق، یہ سعادت، یہ شرف، یہ شعور ملا تو صرف سپریم کورٹ کے اس دو رکنی بنچ کو جس کو شاید قادیانی ملزم کو رہا کرنے کا مشن ملا تھا، جناب چیف جسٹس قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ سپریم کورٹ کے اس دو رکنی بنچ پر نہیں اتری، اسی قرآن میں اتری ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے سرزمین حرمین میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا، لیکن اس کو سمجھنے کا جو شرف و شعور آپ کو ملا اس کی توفیق و سعادت سے چودہ سو سالہ امت محروم رہی، صحابہ کرامؓ، تابعین و تبع تابعین، محدثین و مفسرین، فقہاء و متکلّمین سب اس آیت پر وہ غور نہ کر سکے جو چیف جسٹس نے کیا اور جس کی وہ اپنے عدالتی فیصلہ کے ذریعہ اپنی ماتحت عدالتوں کو تلقین کر رہے ہیں؟

چیف جسٹس کا عدلیہ اور انتظامیہ کو غیر ذمہ دارانہ میسج!

وہ اس آیت کے من پسند مفہوم کے ذریعہ ایک طرف ریاستی عدلیہ اور انتظامیہ کو قرآن کی من پسند تعبیر و تشریح اور تفسیر بالرائے کی دعوت دے رہے ہیں اور دوسری طرف قادیانیوں اور دوسرے اسلام دشمنوں کو قانون شکنی کی کھلی چھٹی دے رہے ہیں، ہر صاحب علم مسلمان جانتا ہے کہ اس آیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس میں کسی کافر اور غیر مسلم کو مسلمان بنانے کے لئے جبر کا راستہ اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو روکا گیا ہے کہ وہ جبر اور سختی کے ذریعہ کسی کافر کو مسلمان نہ بنائیں اس آیت سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسلمانوں کے عقائد و نظریات کا مذاق

اُڑائے، مسلمانوں کی مقدس ہستیوں کی توہین کرے ؟ مسلمانوں کے اسلامی شعائر پر شب خون مارے ؟ مسلمانوں کی اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑ کر انہیں اپنے مذموم اور ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کرے تو اسے قانونی طریقہ سے روکا بھی نہ جائے ؟ اس کے خلاف ایف آئی آر بھی درج نہ کرائی جائے ؟ اسے اس کے جرم کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں بھی کھڑا نہ کیا جائے ؟ اگر کوئی دشمن اسلام اسلامی ریاست کے اندر قرآنی و نبویؐ قوانین کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس کے جرم کی سزا بھی نہ دی جائے ؟ اگر اس آیت کا یہ مفہوم و مقصود لیا جائے تو یہ تحریف قرآن بھی ہے اور قرآنی تعلیمات پر ظلم و ناانصافی بھی۔

مذہبی جبر اگر اکراہ فی الدین ہے تو ریاستی جبر اکراہ فی الدین کیوں نہیں ؟

اور اگر جناب چیف جسٹس کی اس تعبیر اور ان کے اس قرآنی مفہوم کو خدانخواستہ درست مان لیا جائے تو ریاست پاکستان پر خطرناک حد تک اس کے منفی اثرات پڑ سکتے ہیں، ہر صاحب علم پاکستانی جانتا ہے کہ دستور پاکستان کے آرٹیکل ٹو کے مطابق اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہے ، اس لئے قرآن و سنت کا ہر حکم قطعی ریاست پاکستان کے لئے مملکتی مذہب کا درجہ رکھتا ہے اس لئے جو جرم مذہبی حوالہ سے قانونی جبر کے ذریعہ نہیں روکا جاسکتا، وہ ریاستی حوالہ سے بھی قانونی جبر کے ذریعہ روکنا ممنوع اور ناجائز ہوگا۔ پھر اکراہ فی الدین کا دائرہ بہت وسیع ہوجائے گا، مذہبی حوالہ سے اگر توہین قرآن اور توہینِ دین کا جرم روکنا اکراہ فی الدین ہوگا تو ریاستی حوالہ سے توہین عدالت کا جرم روکنا بھی اکراہ فی الدین میں شامل ہوگا، کیونکہ یہ قرآن صرف مذہب اور شریعت کی کتاب نہیں ہے ، بلکہ ریاست کا مملکتی مذہب بھی ہے ، اس کے قطعی احکام جس طرح مذہب پر لاگو ہوتے ہیں اسی طرح ریاست پاکستان پر بھی جاری ہوں گے ، اگر کوئی احمق اور بیوقوف یہ دعویٰ کرے کہ مذہب الگ چیز ہے اور ریاست الگ چیز ہے تو وہ صرف اسلام کا دشمن نہیں بلکہ دستور کا باغی بھی ہے ، وہ پاکستان کی آئینی حیثیت کو چیلنج کر رہا ہے اور آئین کے آرٹیکل ۶ کا مجرم ہے جس کی سزا موت ہے اس لئے جناب چیف جسٹس مذہبی عقائد اور ریاستی قوانین کے درمیان آیاتِ قرآنی کی تفسیر بالرائے کے ذریعہ ایسی دیوار مت کھڑی کیجیے جو ریاست کے لئے بھی مسئلہ بن جائے، اور آپ کے لئے بھی مشکلات پیدا

ہو جائیں۔

توہین پرچم بھی قابل تعزیر جرم نہیں رہے گا!

ہر شخص جانتا ہے کہ کسی بھی ریاست کا قومی پرچم اس ریاست کے شہریوں کے لئے قابل احترام ہوتا ہے، ان کی شان اور ان کی جان ہوتا ہے، اقوام عالم میں ان کی پہچان ہوتا ہے، اسی لئے ہر ریاست اپنے پرچم کی شان اور اس کی آبرو قائم رکھنے کے لئے قانون سازی کرتی ہے، توہین پرچم کی سزا مقرر کرتی ہے، ہمارے ملک میں بھی تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۱۲۳ کے تحت قومی پرچم کی توہین کرنا جرم ہے اور اس کی سزا ۳ سال قید ہے، جناب چیف جسٹس کا یہ نام نہاد قرآنی فلسفہ یا ان کا یہ خود ساختہ قرآنی ضابطہ اگر تسلیم کر لیا جائے اور دینی عقیدہ کی توہین روکنا اکراہ فی الدین مان لیا جائے تو قانونی جرائم کا راستہ روکنا بھی مشکل و ناممکن ہو جائے گا۔ پھر قومی پرچم کی توہین کا روکنا بھی محال اور دشوار ہو جائے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کو صرف مذہب اور شریعت کی کتاب قرار دے کر ریاست کے قوانین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ مذہبی قوانین اور ریاستی قوانین کے درمیان تفریق کی دیوار کھڑی کر دی جائے۔ مذہبی قوانین کو اکراہ فی الدین کی بھینٹ چڑھا دیا جائے اور توہینِ عدالت کے لئے آنکھیں سرخ کر لی جائیں، یہ کیا ستم ہے کہ قرآن شریعت کی کتاب ہو تو توہینِ قرآن، توہین دین، توہینِ رسالت، توہین شعائر اسلامیہ، توہین صحابہؓ، و اہل بیتؓ کو روکنا اکراہ فی الدین اور اگر قرآن ریاست کا مملکتی مذہب ہو تو توہین ریاست پر بھی سزا، توہین عدالت پر بھی سزا، توہین پرچم پر بھی سزا، ان کے تحفظ کے لئے قانون سازی بھی ضروری، قانون کا نفاذ و اجراء بھی ضروری، عدالتیں بھی ضروری، جج اور جسٹس بھی ضروری، قانونی جبر بھی ضروری، قانونی سزا بھی ضروری، آخر کیوں؟ قرآن کی یہ تقسیم کیوں؟ ریاستی قوانین کی یہ تقسیم کیوں؟

اگر آئین کے آرٹیکل ٹو کی روشنی میں اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہے تو ہمیں صاف دل اور کھلے دماغ کے ساتھ تسلیم کرنا ہو گا کہ قرآن و سنت ہماری ریاست کا سپریم لاء ہیں اور اگر قرآن و سنت ریاست کا سپریم لاء ہیں تو پھر ہمیں مذہب اور سیاست کے درمیان تفریق کا یہ تضاد ختم کرنا ہو گا۔ یہ دینی تفریق و تقسیم کا دروازہ بند کرنا ہو گا کہ ریاست کے ایک ہی مملکتی مذہب اور ایک ہی قانون کی

تحت مذہبی جرائم کو قانونی ذریعہ سے روکنا اکراہ فی الدین اور ریاستی جرائم کو قانونی طریقہ سے روکنا عدالتی ذمہ داری، میں دوٹوک لفظوں میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جس طرح ریاستی جرائم کو روکنا عدالتی ذمہ داری ہے، اسی طرح مذہبی جرائم کو روکنا بھی عدالتی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ دونوں کے لئے ریاستی قوانین موجود ہیں، ان قوانین کے مطابق توہینِ ریاست اور توہینِ شعائر دینیہ کے جرائم کو روکنا بھی عدالتی ذمہ داری ہے اور توہین قرآن، توہین دین، توہین رسالت، توہین صحابہؓ و اہل بیت اور توہین شعائر دینیہ کے جرائم کو روکنا بھی عدالتی ذمہ داری ہے۔

خدا کے لئے جناب چیف جسٹس اپنے منصب اور اپنے اختیارات کا پورا وزن ترازو کے ایک ہی پلڑے میں ڈال کر اپنی آخرت مت خراب کیجیے۔ یہ آپ کی شانِ منصبی کے بھی خلاف ہے اور قومی مفاد کے بھی منافی ہے، ریاست نے پارلیمنٹ کے ذریعہ جو قانون بنائے ہیں بس آپ انہیں نافذ کیجیے۔ ان قوانین کے بارے میں قادیانیوں اور دیگر اسلام دشمن قوتوں کو قانون شکنی اور جرائم کے لئے چور راستے مت دیجیے۔

جناب چیف جسٹس کا قرآنی آیاتِ دعوت سے غلط استدلال!

آیت ﴿إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ [البقرة: 256] کا حوالہ دینے کے بعد جناب چیف جسٹس نے دو آیات دعوت کا بھی حوالہ دیا ہے جن سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اکراہ فی الدین کی اجازت تو حضور علی الصلوٰۃ والسلام کو بھی نہیں تھی، ہمیں کیسے ہو سکتی ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی محنت اور جدوجہد کا دائرہ صرف دعوت و تبلیغ تک محدود تھا۔ ان آیات کریمات سے استدلال بھی سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ انہوں نے اپنے فیصلہ کے اندر سورہ رعد کی آیت نمبر ۴۰ کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ:

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ [الرعد: 40]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ذمہ صرف اللہ کی وحی پہنچانا ہے، لوگوں سے حساب لینا ہماری ذمہ داری ہے۔

اور دوسری آیت جناب چیف جسٹس نے سورہ یونس سے نقل کی ہے۔ سورہ یونس کی آیت

نمبر ۹۹ میں خداوند کائنات فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ [یونس: 99]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین پر موجود تمام لوگ، پوری کی پوری انسانی نسل ایمان سے آراستہ ہوتی۔ کیا آپ لوگوں کو جبری طور پر زبردستی مومن اور مسلمان بنانا چاہتے ہیں؟ خدا شاہد ہے کہ میں بالکل سمجھ نہیں پایا کہ ان آیات کے پیش کرنے سے جناب چیف جسٹس کا مقصد کیا ہے؟ اور ان آیات کا اس فیصلہ یا فیصلہ کے کسی مضمون سے تعلق کیا ہے؟ میرے خیال میں ان دو آیات کا حوالہ دے کر جناب چیف جسٹس قوم کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خداوند کائنات نے صِرف اپنا پیغام اور اپنی وحی پہنچانے کے لئے بھیجا تھا، اپنا پیغام منوانے کے لئے ان کو نہیں بھیجا گیا۔ میرے خیال میں ان دونوں آیات کا حوالہ دینے سے جناب چیف جسٹس کے دو مقصد ہوسکتے ہیں۔

(۱) نبی کا کام صرف پہنچانا ہے، منوانا اس کی ذمہ داری نہیں؟

پہلا مقصد جناب چیف جسٹس کا یہ آیات پیش کرنے سے یہ ہوسکتا ہے کہ نبی کی منصبی ذمہ داری صرف وحی کو لوگوں تک پہنچانا ہے، وحی منوانا نبی کی منصبی ذمہ داری میں شامل نہیں، جب وحی اور احکاماتِ الٰہیہ منوانا نبی کی ذمہ داری بھی نہیں تو ہم کون ہوتے ہیں منوانے والے؟ ہم کون ہوتے ہیں ایف، آئی، آر، درج کرنے اور کرانے والے؟ ہم کون ہوتے ہیں مذہبی مقدمات کے ملزموں کے خلاف عدالتی کاروائی کرنے والے؟ ان کی ضمانتیں ری جیکٹ کرنے والے؟ لیکن میرے خیال میں جناب چیف جسٹس دعوت اور قانون میں فرق نہیں کرپا رہے۔ شاید اس لئے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک حیثیت کو مانتے ہیں، آپ کی دوسری حیثیت کو وہ تسلیم نہیں کرتے، میں یہ بات پوری طرح واضح کردینا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت کے اعتبار سے وہ داعی اور معلم ہیں، وحی کی دعوت دینا اور وحی کی تعلیم دینا ان کی منصبی ذمہ داری تھی اور اپنی دوسری حیثیت کے اعتبار سے حضور علی الصلوٰۃ والسلام قاضی و حکمران ہیں، داعی کی حیثیت سے

آپ کی ذمہ داری واقعی صرف پہنچانا ہے اس حیثیت میں منوانا واقعی آپ کی ذمہ داری نہیں، لیکن ۱۳ سالہ دعوت و تبلیغ کے بعد ہجرت کے ذریعہ آپ نے ریاست مدینہ قائم کرلی، ایک باقاعدہ ریاست کا وجود تیار ہوگیا تو آپ اس ریاست کے حکمران اور قاضی بھی تھے، دعوت کے مراحل سے گزر کر اب ریاست کے اندر قانون سازی کرنا بھی آپ کی منصبی ذمہ داری تھی، جرائم کے خاتمہ اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے قانون نافذ کرنا اور جرائم کی سزائیں دینا بھی آپ کی منصبی ذمہ داری میں شامل تھا...دعوت کے ذریعہ وہ لوگوں سے بیعت لیتے:

﴿وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ﴾ [الممتحنة: 12]وہ چوری بھی نہیں کریں گے اور زنا سے بھی بچیں گے اور قانون کے ذریعہ چوروں کے ہاتھ بھی کاٹتے تھے اور زانیوں کو کوڑے بھی مارتے تھے، شادی شدہ زانیوں کو سنگسار بھی کرتے تھے۔...دعوت کے ذریعہ وہ لوگوں سے بیت بھی لیتے تھے: ولا یشربن ، وہ شراب نہیں پئیں گے اور قانون کے ذریعہ شرابیوں کو کوڑے بھی مارتے تھے۔...دعوت کے ذریعہ وہ لوگوں کو مقامِ نبوت اور عظمتِ رسالت بھی سمجھاتے تھے۔ مگر قانون کے ذریعہ توہینِ رسالت کرنے والے شاتمین رسول کو قتل بھی کراتے تھے۔

اب اگر کوئی جاہل اور شریر یہ دعویٰ کرے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منصبی ذمہ داری تو صرف پہنچانے کی تھی، جو دعوت کے ذریعہ آپ نے پہنچادی، منوانا آپ کی ذمہ داری ہی نہیں تھی، پھر آپ نے چوروں کے ہاتھ کیوں کاٹے؟ آپ نے زانیوں کو کوڑے کیوں مارے اور انہیں سنگسار کیوں کیا؟ آپؐ نے شرابیوں کو کوڑوں کی سزا کیوں دی؟ آپؐ نے توہینِ رسالت کرنے والوں کو قتل کیوں کروایا؟ یہ تو منصب نبوت کی ذمہ داریوں سے معاذ اللہ تعالیٰ تجاوز ہے تو ایسے احمق اور بے وقوف کو یہی بات سمجھائی جائے گی کہ تو جاہل اور نادان ہے تو نبیؐ کی منصبی ذمہ داریوں کو سمجھا ہی نہیں، تو نے منصبِ نبوت کو دعوت و تبلیغ کے دائرے میں بند کر رکھا ہے، تو نے منصب نبوت کو اپنی ناقص عقل اور اپنی چھوٹی سی سوچ کے دائرے میں بند کر رکھا ہے، نبی کی منصبی ذمہ داریوں کا دائرہ دعوت سے ریاست تک اور تعلیم سے عدالت تک پھیلا ہوا ہے، اس دائرہ کو اپنے فکر اور اپنی سوچ تک محدود کردینا ضلالت ہے۔

کیا عدالت کا قیام بھی قرآن کے خلاف ہے؟

اسی طرح اگر کوئی جاہل یہ دعویٰ کردے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن مقدس کے ذریعہ یہ دعوت دیدی:

﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ [المائدة: 8]

اے ایمان والو! آپسی معاملات میں عدل وانصاف سے کام لو۔

کیونکہ تمہارا یہی عمل تقویٰ کے قریب ہے، یعنی تمہارے تقوے اور للّٰہیت کا تقاضا یہی ہے کہ تم اپنے گھریلو خاندانی، سماجی، قومی، معاشی اور سیاسی تمام معاملات میں عدل و انصاف سے کام لو۔ کسی معاملہ میں ڈنڈی نہ مارو، ظلم و ناانصافی سے کام نہ لو اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ عدل و انصاف پر مبنی فیصلے صرف وہی ہوسکتے ہیں جو قرآن و سنت کے مطابق ہوں، جو آئین و قانون کی روشنی میں ہوں، جو منصب و اختیار کے دائرہ میں ہوں، جو اخلاق و دیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں اور جو فیصلے قرآن و سنت کی من گھڑت تعبیر و تفسیر کے ذریعہ کئے جائیں، آئین و قانون کو بائی پاس کرکے کئے جائیں، منصب و اختیار سے تجاوز کرکے کئے جائیں، اخلاق و دیانت کا خون کرکے کئے جائیں، وہ فیصلے غلط ہوتے ہیں، وہ فیصلے عدل وانصاف پر مبنی نہیں ہوتے، وہ فیصلے ظلم و ناانصافی اور جبر و بربریت پر مبنی فیصلے ہوتے ہیں، جو قاضی کو جہنم میں اور قوم کو تباہی میں دھکیل دیتے ہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن مقدس کے ذریعہ اُمت کو دعوت دیدی:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾ [النساء: 58]

اے ایمان والو اللہ کریم تمہیں حکم دیتا ہے کہ تمہارے پاس جو امانتیں موجود ہیں وہ امانتیں ان کے اصل حق داروں کی طرف لوٹادو۔

تم ووٹر ہو تو ووٹ کی امانت اس کے حقیقی حق دار کی طرف لوٹادو۔ تم حکمران ہو تو اپنی عیش و عشرت پر توجہ دینے کی بجائے عوام اور رعایا کے حقوق کی امانت ان کو پہنچادو۔ تم قاضی یا جسٹس ہو تو مدعی اور ملزم کے حق کی امانت ان کی طرف لوٹادو، اس میں ڈنڈی اور ڈنڈے نہ مارو، جانبداری کا مظاہرہ نہ کرو، ورنہ تم قاضی نہیں خائن کہلائوگے۔

آگے خداوند کائنات فرماتے ہیں:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ [النساء: 58]

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل وانصاف پر مبنی فیصلے کرو۔

اب اگر کوئی جاہل واحمق، بے وقوف ونادان یہ دعویٰ کردے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام صرف پہنچانا تھا۔ آپ نے دعوت کے ذریعہ امت تک پہنچادیا کہ امانتیں ان کے حق داروں کی طرف لوٹادو اور باہمی معاملات میں عدل وانصاف سے کام لو، تو اب باہمی حقوق کے تحفظ کی خاطر ریاست بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور باہمی معاملات میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے عدالتیں قائم کرنے کا کیا مقصد ہے؟ یہ تو اکراہ فی الدین ہے اور قرآن کے خلاف ہے، اس جاہلانہ اور احمقانہ سوچ سے تو پورا عدالتی سسٹم قرآن کے خلاف قرار پائے گا، پورا ریاستی سسٹم قرآنی تعلیمات اور نبویؐ مقاصد کے منافی قرار پائے گا۔

کیا چیف جسٹس اپنے منصب سے مستعفی ہوسکیں گے؟

کیونکہ قانونی جبر کا سب سے بڑا ذریعہ تو ریاست اور عدالت ہی ہیں جہاں قانون بنتے ہیں اور سزائیں نافذ ہوتی ہیں جہاں سے مجرموں کے لئے سزائیں جاری ہوتی ہیں، اگر قانونی جبر ناجائز اور اکراہ فی الدین ہے تو پھر قانونی جبر نافذ کرنے والی عدلیہ کیسے جائز ہوگی؟ لیکن کوئی ہوش مند مسلمان اس جاہل واحمق کا یہ تصور وفلسفہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ عدل کی دعوت دینا اور چیز ہے اور عدل کو نافذ کرنا اور چیز ہے، ہمارے چیف جسٹس جب کسی بار کونسل کے اجلاس میں یا کسی ریاستی تقریب میں، یا کسی پبلک اجتماع میں عدل وانصاف پر لیکچر دیں گے تو ان کا لیکچر صرف ترغیب وترہیب اور دعوت وتبلیغ تک محدود ہوگا۔ لیکن جب وہ کرسی عدالت پر ہوں گے تو وہ مجرموں کو ان کے جرائم کے مطابق سزائیں دے کر عدل وانصاف کو نافذ کریں گے، اس احمق ونادان اور جاہل وبے وقوف شخص کے فلسفہ کی روشنی میں اگر کوئی شخص جناب چیف جسٹس سے یہ مطالبہ کردے کہ اگر آپ اصولِ قرآنی اور سنت نبویؐ کی روشنی میں قانونی جبر کا راستہ واقعی روکنا چاہتے ہیں تو پہلے آپ اپنے منصب سے مستعفی ہوں، کیونکہ قانونی جبر نافذ وجاری کرنے والے سب سے

بڑے ریاستی منصب پر جلوہ گر ہو کر آپ قانونی جبر کا راستہ کسی صورت بھی نہیں روک سکتے۔ آپ کا منصب اور آپ کا اختیار آپ کو ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ اس منصب و اختیار کا بنیادی مقصد ہی قانونی جبر کے ذریعہ جرائم کا خاتمہ ہے، اس لئے اگر قانونی جبر کا راستہ اکراہ فی الدین سمجھتے ہیں تو آپ کو اپنے منصب اور اختیار سے دستبردار ہونا پڑے گا، قانونی جبر اختیار کرنے والے کسی منصب پر بیٹھے کسی ذمہ دار شخص کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ قانونی جبر کے ذریعہ جرائم کا راستہ روکنے والوں کو قانونی جبر سے روکنے کی کوشش کرے، اس کا یہ طرز ہی غیر قانونی جبر ہو گا۔

کیا چیف جسٹس کا یہ فیصلہ منصبی اختیار سے تجاوز نہیں؟

اور پھر یہاں ایک سوال یہ بھی اُٹھتا ہے کہ قانونی راستہ سے توہینِ قرآن کے خلاف، توہینِ دین کے خلاف، توہینِ رسالت کے خلاف ایف، آئی، آر، درج کرنا یا درج کرانا اگر اکراہ فی الدین ہے، اس کا مقدمہ عدالت میں لانا اگر اکراہ فی الدین ہے تو اپنے منصب اور اختیار کا ناجائز استعمال کر کے کسی ریاستی شہری کو اس کے قانونی حق سے محروم کر دینا، کسی ریاستی ادارہ کو اس کی منصبی ذمہ داریوں سے روکنے کی کوشش کرنا، اپنے ماتحت اداروں کی قانونی کارکردگی پر غیر ذمہ داری کا ٹھپہ لگا کر انہیں خوف زدہ یا دہشت زدہ کرنے کی کوشش کرنا کون سے قرآنی حکم کی پیروی ہے؟ پبلک کا وہ حق جو اسے ریاست نے دیا ہے، جو اسے پارلیمنٹ نے اس کے عوامی نمائندوں کے ذریعہ ملا دیا ہے۔ اسے اس حق سے محروم کر دینا کون سی قرآنی آیت کا حکم ہے؟ اداروں کی ان منصبی ذمہ داریوں میں غیر ضروری مداخلت کرنا جو ذمہ داریاں انہیں ریاست نے سونپی ہیں اور انہی ذمہ داریوں کی ان کو تنخواہ ملتی ہے کون سی قرآنی تعلیمات پر عمل ہو رہا ہے؟ کیا یہ ظلم کی انتہا نہیں کہ ریاست کے اندر عوام کے نمائندے عوام کو ایک حق دیتے ہیں اور عوام و ریاست کا ایک تنخواہ دار ملازم اپنے منصب و اختیار کے نشہ میں عوام کو اس حق سے محروم کر دینا چاہتا ہے؟ حالانکہ عوام کو یہ حق ریاست کا آئین اور قانون دیتا ہے۔

(۲) ایمان و عمل کے حوالہ سے بندہ مجبور محض ہے!

یہ آیات دعوت پیش کرنے سے جناب چیف جسٹس کا دوسرا مقصد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ کے

ایمان و عمل کا تعلق صرف تقدیر اور قدرت خداوندی سے ہے، بندہ کے اپنے اختیار سے ان کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔ انہوں نے اپنے فیصلہ کے اندر قرآن پاک کی آیت:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ [یونس: 99] کا حوالہ بھی دیا ہے۔

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کا رب چاہتا تو پوری زمین کے تمام انسانوں کو مومن اور مسلمان بنا دیتا۔ آپ انہیں جبر و زبردستی کے ذریعہ مومن کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ جناب چیف جسٹس کا اس آیت کے ذکر سے مطلب یہ ہے کہ ایمان لانا یا نہ لانا بندہ کے اختیار میں ہے ہی نہیں۔ یہ تو سب قدرت کا کھیل ہے۔ تقدیر کا کرشمہ ہے، قدرت خود جسے چاہتی ہے مومن بنا دیتی ہے، جسے چاہتی ہے کافر بنا دیتی ہے، جسے چاہتی ہے متقی و پرہیز گار بنا دیتی ہے اور جسے چاہتی ہے فاسق و فاجر بنا دیتی ہے، انسان صرف ایک کٹھ پتلی ہے، پردے کے پیچھے چھپے ہاتھوں کا پتلی تماشہ ہے ایک ریموٹ کنٹرول روبوٹ ہے جو چل نہیں رہا بلکہ اسے چلایا جا رہا ہے، ڈرون راکٹ کی طرح، ڈرون میزائل کی طرح، ڈرون کیمرہ کی طرح، جسے جہاں روکا رُک گیا۔ جہاں چلایا چل پڑا، جہاں سے موڑا مڑ گیا، جہاں بٹھایا بیٹھ گیا، نہ اسے اپنے روٹ کا پتہ اور نہ اپنے ٹارگٹ کا، اسے نہ اپنی منزل کی خبر نہ مقصد کی وہ تو ایک ایسی مشین ہے جس کا کنٹرول روم انسانی نظروں سے اوجھل ہے،

تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے وحی کیوں اتاری؟ کتابیں کیوں نازل کیں؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیاء کرام علیہم السلام کیوں مبعوث فرمائے؟ وہ انبیاء و مرسلین ایمان و توحید کی دعوت کیوں دیتے رہے؟ اس دعوت کے لئے اذیت ناک مشقتیں کیوں برداشت کرتے رہے؟ کیوں دردوں اور زخموں سے چور چور ہوتے رہے؟ کیوں اپنوں سے بچھڑ کر دور دراز علاقوں میں ہجرتیں کرتے رہے؟ کیوں راہِ خدا میں شہید ہوتے رہے؟ اور پھر ان کی نافرمان اور سرکش قومیں کیوں زمینی و آسمانی عذابوں میں مبتلا ہوتی رہیں؟ کیوں خداوند قدوس ان سرکش قوموں پر غضب اور قہر برساتا رہا؟ ان کا قصور کیا تھا؟ ان کا جرم کیا تھا؟ وہ تو ریموٹ کنٹرول تھے، بے اختیار و لاچار تھے، اپنی مرضی اور اختیار سے تو کچھ بھی نہیں کر رہے تھے۔ پھر وہ کیوں تباہ و برباد کی گئیں؟ اور پھر دعوت و

تبلیغ کا یہ سلسلہ تو ہزاروں سال سے چل رہا ہے، کیا یہ سلسلہ معاذ اللہ تعالیٰ قرآنی تعلیم اور قرآنی مقاصد کے خلاف ہے؟

آیت میں حضور علیہ السلام کو کس جبر سے روکا گیا؟

کیونکہ دعوت و تبلیغ تو ہر نبی کی منصبی ذمہ داری تھی اور اب یہ اس امت کی منصبی ذمہ داری ہے اور اُمت یہ ذمہ داری ان شاء اللہ العزیز قیامت تک نبھاتی رہے گی۔ سوال یہ ہے کہ جب انسان مجبور محض ہے، اس کے پاس ایمان و عمل کا اختیار ہی نہیں ہے تو پھر اسے نیکی کی دعوت دینے کا کیا مقصد؟ اسے برائی سے روکنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے اس آیت کا یہ مقصد اور مطلب تو ہرگز ہو ہی نہیں سکتا کہ ایمان و کفر اور اطاعت و معصیت کے اختیار کرنے میں انسان کا کوئی اختیار ہی نہیں اور وہ مجبور محض ہے، اس لئے اس آیت میں سمجھنے کی پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت کے اندر جس جبر کا ذکر کیا گیا ہے اس سے وہ جبر ہرگز مراد نہیں جو بظاہر مراد لیا جا رہا ہے، یعنی کسی کو مجبور کر کے گن پوائنٹ پر اسے ایمان و اطاعت پر آمادہ کرنا، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ۲۳ سالہ دعوتی زندگی میں جبر کا وہ راستہ ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی اختیار نہیں کیا جس میں کسی انسان کو خوف زدہ کر کے اسے دہشت زدہ کر کے، اس کو بلیک میل کر کے، اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ایمان لانے پر آمادہ کیا گیا ہو، جبر کے ذریعہ کسی کو ایمان کی طرف راغب کیا گیا ہو اور نہ ہی خدا کا کوئی پیغمبر کبھی ایسا کر سکتا ہے۔ اس آیت میں جس جبر کا ذکر کیا گیا ہے وہ وہ جبر ہے جو دوسروں کے ایمان کے لئے دوسروں کی فلاح و نجات کے لیے حضور علیہ السلام اپنے آپ پر کرتے تھے، اپنی ذات پر کرتے تھے، آپ دوسروں کے ایمان کے لیے حضور الٰہی میں رو رو کے دعائیں کرتے، دوسروں کی فلاح کے لئے راتوں کو جاگنا، دوسروں کی ہدایت کے لیے سجدوں میں تڑپنا، ان کے لیے: اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ کی فریادیں کرنا، ان کے لئے بارگاہِ الٰہی میں گرگڑانا، ان کے پتھر کھا کر ان کو دعائیں دینا، صبر و استقلال کے ساتھ ان کی اذیتیں برداشت کرنا، ہر وقت ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کا فکر کرنا، یہ اُمت کے لئے نبی کا ایک کرب تھا۔ انسانیت کے لئے ایک درد تھا جسے خداوند کائنات جبر سے تعبیر کر رہے ہیں کہ اس کرب اور درد کی وجہ سے نبی علیہ السلام خود پر جبر کر رہے ہیں اور اللہ رب العزت فرما رہے ہیں

کہ اے محبوب دوسروں کے ایمان کی خاطر، دوسروں کی فلاح و نجات کی خاطر اپنے آپ پر اتنا جبر نہ کیجیے۔ اپنے آپ کو اتنی مشقت میں نہ ڈالئے، ہم نے ان لوگوں کو عقل بھی دی ہے، ان کو فہم و شعور بھی دیا ہے، وحی اور نبی کے ذریعہ ان کی رہنمائی بھی کی ہے۔ انہیں قبول ورد کا اختیار بھی دیاہ، اب ان کی مرضی ہے وہ اپنی عقل اور اپنے اختیار کے ذریعہ حق کو قبول کرتے ہیں یا اس کو رد کرتے ہیں، اگر وہ حق کو قبول کرکے ایمان لے آئیں تو انہی کا فائدہ ہے اور حق کا انکار کرکے اسے رد کردیں تو انہی کا نقصان ہے۔

ہدایت و ضلالت کا قانون الٰہی !

اس آیت کریمہ میں سمجھنے کی دوسری بات یہ ہے کہ خداوند کائنات نے انسان کے لئے ہدایت و ضلالت کا جو قانون بنایا ہے، اس قانون کے حوالہ سے وہ پوری قدرت رکھنے کے باوجود بندہ کے لئے کبھی جبر کا راستہ اختیار نہیں کرتے، قانون قدرت یہی ہے کہ انسان کو احکامات شرعیہ کا مکلف بنایا گیا ہے اور اس پابندی پر پورا اترنے کے لئے اسے اختیار بھی دیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں خداوند کائنات اپنا یہی قانون قدرت بیان کررہے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو فرشتوں کی طرح انسانوں کو بھی صرف خیر کی صلاحیت عطا فرمادیتا، شر کی صلاحیت اس کے اندر پیدا ہی نہ کرتا، مگر انسانوں کو میں نے خیر اور شر کی دونوں صلاحیتوں سے نوازا ہے اس کے اندر میں نے نیکی کی صلاحیت بھی رکھی ہے اور اس کے اندر میں نے گناہ کا مادہ بھی رکھا ہے، ان دونوں کے درمیان میں نے اختیار کی قدرت بھی رکھی ہے، فرشتوں کے اندر صرف خیر کی صلاحیت موجود ہے، شر اور گناہ کا ان کے اندر مادہ ہی موجود نہیں، وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے، وہ معصیت میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتے۔ تسبیح و تحمید اور حمد و ثناء ہی ان کی صلاحیت ہے اور اطاعت و فرمانبرداری ہی ان کی زندگی ہے، جب کہ انسان کے اندر خیر و شر دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنانے کا اسے اختیار دیا گیا ہے۔ باقی انشاء اللہ العزیز آئندہ جمعہ کو۔

و ما علینا الاالبلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(دوسرا بیان)

قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہ وَکفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی !اَمَّابَعْدْ!اَعُوْذُبِاللّٰہِمِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَی أَھْلِھَا وَإِذَاحَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْکُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہِ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیعًا بَصِیرًا﴾ [النساء: 58]

بردران اہل السنۃ والجماعۃ!

اپنے گذشتہ بیان میں میں نے سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایک حالیہ فیصلہ پر تبصرہ کیا تھا، آج بھی ان شاء اللہ العزیز اسی پر بات ہوگی، گذشتہ بیان میں تفصیل کے ساتھ میں عرض کرچکا ہوں کہ چناب نگر کے ایک قادیانی مبارک احمد ثانی نے قانون اور ہائی کورٹ کے عدالتی فیصلہ کے خلاف بغاوت وسرکشی کرتے ہوئے مرزاغلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزابشیرالدین محمود کی تفسیر صغیر تقسیم کی، جو توہینِ عدالت کے علاوہ دوسرے کئی حوالوں سے بھی قانونی جرم تھااور ان سنگین جرائم کی وجہ سے وہ سخت ترین سزا کا مستحق تھا۔ اس قادیانی ملزم کے خلاف جناب محمد حسن معاویہ نے چناب نگر تھانہ میں درخواست دی، لیکن تھانہ والوں نے اس درخواست پر ملزم کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کی۔

پونے چار سال تک مدعی کی وہ درخواست جے۔آئی۔ٹی کمیٹی کی انکوائری کے مختلف مراحل طے کرتے رہی، مختلف مراحل سے گزرتی رہی۔ پونے ۴ سال بعد پنجاب قرآن بورڈ کے لیٹر پر ملزم کے خلاف ایف، آئی، آر، درج ہوئی۔ یعنی مارچ ۲۰۱۹ کی درخواست پر دسمبر ۲۰۲۲ء میں ایف، آئی، آر، درج ہوئی اور اس کے ایک ماہ بعد جنوری ۲۰۲۳ء میں اس قادیانی ملزم کی گرفتاری عمل میں آئی۔ ایف آئی آر اور پولیس چالان کے اندر ملزم کے خلاف جو قانونی دفعات عائد کی گئی تھیں وہ سب ناقابل ضمانت اور ناقابل مفاہمت تھیں۔ یعنی نہ ان کی ضمانت ہو سکتی تھی اور نہ ان میں فریقین کے درمیان تصفیہ ممکن تھا۔ اس لئے سیشن کورٹ نے بھی ملزم کی درخواست ضمانت مسترد کردی اور ہائی کورٹ سے بھی وہ درخواست خارج ہوگئی۔ ملزم کی ضمانت کے لئے یہ کیس سپریم کورٹ میں چلا گیا اور سپریم کورٹ نے پہلی ہی پیشی پر سرکاری وکیل کو مہلت دیئے بغیر اور مدعی کے وکیل کو سنے بغیر اسے اس کی وضاحت کا موقع دیئے بغیر فیصلہ دیدیا۔ قادیانی ملزم کو خصوصی ریلیف دیتے ہوئے ضمانت پر رہا کردیا۔ جو کہ اخلاق و دیانت اور عدل و انصاف کا خون کرنے کے مترادف تھا اس کیس اور اس کے فیصلہ کے حوالہ سے عدالت عظمیٰ کا رویہ بھی سخت نامناسب اور جارحانہ تھا اور اس عدالتی فیصلہ کے اندر بہت ساری شرعی اور قانونی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ اس فیصلہ کے اندر جو سب سے سنگین اور خطرناک غلطی پائی جاتی ہے وہ جناب چیف جسٹس کا قرآنی آیات سے من گھڑت اور بے بنیاد استدلال ہے۔ قرآن پاک کی وہ آیات نہ تو مقدمہ کے اس فیصلہ سے کوئی تعلق رکھتی ہیں اور نہ چیف جسٹس کے مفہوم و استدلال پر پورا اترتی ہیں جو کہ قرآن پاک کے ساتھ بھی صریح ظلم ہے اور قانون کے ساتھ بھی ایک سنگین مذاق ہے۔

دعوت اور قانون کے تقاضے الگ الگ ہیں!

میں اپنے گذشتہ بیان میں عرض کرچکا ہوں کہ جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلہ کے اندر آیت ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ [البقرة: 256] کا حوالہ دیا ہے، جس کا اس مقدمہ اور فیصلہ کے ساتھ دور دور کا بھی کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے، انہوں نے اپنے فیصلہ کے اندر آیاتِ دعوت کا بھی حوالہ دیا ہے اور میں واضح کرچکا ہوں کہ ان آیات کا بھی مقدمہ اور فیصلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے

، کیونکہ ان آیات کا تعلق صرف دعوت و تبلیغ کے ساتھ ہے جب کہ مقدمہ کا تعلق دعوت سے نہیں قانون سے ہے۔ اس لئے مقدمہ کا فیصلہ لکھنے سے پہلے دعوت اور قانون کے درمیان کوئی فرق کرنا ضروری ہے، ہر صاحب علم جانتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کے تقاضے اور ہیں اور آئین و قانون کے تقاضے ان سے بالکل الگ ہیں، دعوت میں جتنی رقت و نرمی کی ضرورت ہوتی ہے قانون اسی قدر شدت اور سختی کا تقاضا کرتا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ انسان کی ہدایت وضلالت کے لئے خداوند کائنات کا مستقل قانون قدرت موجود ہے جس قانون قدرت کے تحت انسان کو عقل دی گئی، اسے نیک اور بد میں تمیز کا فہم و شعور دیا گیا جس کو رسولوں کے ذریعہ وحی الٰہی کا علم دیا گیا جس کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو بحیثیت نمونہ و معیار بھیجا گیا جس کو آسمانی کتابوں سے نوازا گیا جس کے لئے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا گیا جس کو ایمان یا کفر دونوں میں سے کوئی ایک راہ اختیار کرنے کی قدرت دی گئی اور اسی اختیاری قدرت کے حوالہ سے اس کے سامنے جنت و جہنم کے نقشے رکھے گئے لیکن جناب چیف جسٹس کے طرز استدلال سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید ان کے نزدیک انسان بالکل مجبور محض ہے۔ ایک ریموٹ کنٹرول روبوٹ ہے جس کے اندر نہ حق قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ کفر کو تسلیم کرنے کا اختیار ہے اور میں اپنے گذشتہ بیان میں تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں کہ جناب چیف جسٹس کا یہ نظریہ دعوت و قانون کے ضابطہ خداوندی کے خلاف ہے۔

انسان منزل کے دوراہے پر کھڑا ہے!

اسی ضابطہ خداوندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ [یونس: 99]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کا رب چاہتا تو پوری زمین کے سارے انسان مومن اور مسلمان بنا دیتا۔ اس کو یہ قدرت حاصل ہے وہ انسانوں کو بھی فرشتوں کی طرح بنا دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ یہ اس کے قانونِ قدرت اور ضابطہ تخلیق کے خلاف تھا، اس کا قانون اور ضابطہ

یہی ہے کہ اس نے انسان کو عقل بھی، اختیار بھی دیا، وحی کا علم بھی دیا، نبیوں کا نمونہ بھی دیا، ہدایت کا ہر راستہ اس پر ظاہر و آشکارا کر دیا۔ حق و باطل کھول کھول کر اس کے سامنے واضح کر دیئے۔ حلال و حرام کا ہر فرق اسے سمجھا دیا۔ نیک و بد کے اندر تمیز کرنے کے لئے خیر و شر کی دونوں صلاحیتیں اس کے اندر رکھ دیں۔ اب اس کی اپنی مرضی ہے اس کا اپنا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو ایمان کو اختیار کر لے اور چاہے تو کفر کو اختیار کر لے، یہ اس کی اپنی صوابدید ہے، اس کی اپنی مرضی ہے، اس دوراہے کا ایک راستہ جنت کی طرف جاتا ہے اور دوسرے راستہ کی منزل و انجام جہنم ہے۔ انسان کو اختیار اور صوابدید کے گھوڑے پر بٹھا دیا گیا ہے، دونوں راستوں پر سائن بورڈ نصب کر دیئے گئے ہیں، ایک سائن بورڈ پر جنت لکھا ہے اور دوسرے پر جہنم، دونوں راستوں کے لئے اس کے سامنے گارڈ اور راہبر موجود ہیں۔ ایک راستہ پر نفس اور شیطان اس کو گائیڈ کرتے ہیں اور دوسرے پر قرآن و سنت، وحی اور نبی اس کی راہنمائی کرتے ہیں، اب اس کی اپنی مرضی ہے چاہے تو اپنے اختیار کا گھوڑا جنت کی طرف دوڑا دے اور چاہے تو اسے جہنم کی طرف بھگا دے۔ یہ اس کی اپنی صوابدید پر ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ انسان اپنے اختیار کا گھوڑا جہنم کی طرف دوڑاتا ہے تو اللہ رب العزت اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں، چل کہاں تک چلتا ہے اور اگر انسان اپنے اختیار کا گھوڑا جنت کی طرف بھگاتا ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کے ذریعہ اس کی مدد فرماتے ہیں۔

انسان زمین پر خلیفۃ اللہ ہے!

اس لئے کہ انسان کو خداوند کائنات نے زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے اور خلافت کے لئے خیر اور شر کی دونوں صلاحیتوں کا انسان کے اندر ہونا ضروری تھا، کیونکہ خلافت کا مقصد ہی خیر کو شر پر غالب کرنا ہے، نیکی کو بدی پر غالب کرنا ہے، حق کو باطل پر غالب کرنا ہے، اسلام کو کفر پر غالب کرنا ہے، سچ کو جھوٹ پر غالب کرنا ہے، عدل کو ظلم پر غالب کرنا ہے، اطاعت کو معصیت پر غالب کرنا ہے۔ خیر و شر کی یہ دونوں صلاحیتیں انسان کے اندر موجود ہوں گی تو وہ خلافت کے تقاضے پورے کر سکے گا ورنہ انسان کا مقصد خلافت ہی بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ اب خیر کو شر پر غالب کرنے کے لئے جہاں دعوت کی ضرورت ہے، وہاں دعوتی تقاضے پورے کرنے ضروری ہیں جہاں سرکش اور

طاغوتی قوتوں پر حق کو غالب کرنے کے لئے جہاد و قتال کی ضرورت ہے وہاں جہاد و قتال کے تقاضے پورے کرنے ضروری ہیں جہاں حق اور خیر کو غالب کرنے کے لئے ریاست و عدالت اور حکومت و سیاست کی ضرورت ہے وہاں ریاست و عدالت اور حکومت و سیاست کے تقاضے پورے کرنے ضروری ہیں، یہی خلافت کا تقاضا ہے اور یہی خلافت کی ذمہ داری ہے، اس لئے خیر و شر کی دونوں صلاحیتیں انسان کے اندر موجود ہیں جو انسان اپنے وجود کی چھوٹی سی ریاست کے اندر خیر کو شر پر غالب کرنے کی ہمت اور حوصلہ رکھتا ہے وہ اپنے وجود سے باہر کی دنیا میں اپنے خاندان کے اندر ،اپنے معاشرہ کے اندر اپنے سماج کے اندر، اپنی سوسائٹی کے اندر اور اپنی ریاست کے اندر بھی یہ انقلاب لاسکتا ہے، یہ تبدیلی لاسکتا ہے، خیر کو شر پر غالب کرسکتا ہے اور جو انسان اپنے اندر کی چھوٹی سی ریاست کو شر سے نہیں بچا سکتا، اس کے اندر خیر کو شر پر غالب نہیں کرسکتا وہ باہر کی دنیا میں کیا انقلاب لائے گا؟ وہ سماجی اور ریاستی دنیا میں کیا تبدیلی لائے گا؟ وہ قومی و عالمی دنیا میں خیر کو شر پر کیسے غالب کرسکے گا؟ ایسا انسان کسی قومی و سماجی منصب پر آکر عالمی استعماری قوتوں کے اسلام دشمن ایجنڈہ کا حصہ بن سکتا ہے۔

عالمی و قومی اسٹیبلشمنٹ کے دبائو میں آکر قوم اور منصب سے غداری کرسکتا ہے۔... خوف اور مفاد کا شکار ہوسکتا ہے۔... ملک دشمن قوتوں کا ایجنٹ ہوسکتا ہے۔... حرص و ہوس اور خود غرضی میں مبتلا ہوسکتا ہے۔... ذاتی خاندانی اور سیاسی اغراض کے لئے شر کا معاون و مددگار ہوسکتا ہے۔... امن اور عدل کا دشمن بن سکتا ہے۔... قانون کی کرسی پر بیٹھ کر لاقانونیت کا راستہ اختیار کرسکتا ہے۔... انصاف کی مسند پر بیٹھ کر انصاف کا خون کرسکتا ہے۔... سماج اور ریاست کے اندر امن اور عدل قائم کرنے کے لئے اپنے اندر کی خیر کو اپنے اندر کے شر پر غالب کرنا ضروری ہے، اس لئے ہدایت اور ضلالت کے لئے خداوند کائنات کا قانونِ قدرت یہی ہے کہ وہ کسی انسان کو یا کسی انسانی گروہ کو جبری طور پر مومن اور متقی نہیں بناتے بلکہ انسان کے اندر خیر و شر کی دونوں صلاحیتوں کو پیدا کرکے اور اسے ان صلاحیتوں کے استعمال کا اختیار دے کر دنیا میں بھیجتے ہیں اور اسی اختیار کو استعمال کرکے انسان اپنی منزل اور راستہ متعیّن کرتا ہے۔

انسان کا اختیار ہی اس کی سب سے بڑی آزمائش ہے!

اور یہی اختیار انسان کی سب سے بڑی آزمائش ہے، خداوند کائنات قرآن مقدس میں فرماتے ہیں، سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۸ ہے:

﴿وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾ [المائدة: 48]

اے انسانو! اگر اللہ چاہتا تو پوری انسانیت کو اپنی قدرت کے ذریعہ ایک ہی امت بنا دیتا، ایک ہی ملت بنا دیا، پھر پوری انسانیت کا ایک ہی مذہب ہوتا، سب کا ایک ہی عقیدہ ہوتا، سب کا ایک ہی فکر ہوتا، سب کی ایک ہی تعلیم ہوتی جس میں نہ او لیول اور اے لیول کی تفریق ہوتی، نہ وہ انگلش میڈیم اور اردو میڈیم میں تقسیم ہوتے، سب کا ایک ہی نصاب تعلیم اور ایک ہی نظام تعلیم ہوتا، سب کی ایک ہی تہذیب ہوتی، ایک ہی کلچر ہوتا، ایک ہی ثقافت ہوتی، ایک ہی تمدن ہوتا، ایک ہی معاشرت ہوتی، ایک ہی معیشت ہوتی، ایک ہی سیاست ہوتی، ایک ہی نظام ہوتا، کسی انسان کا کسی معاملہ میں کسی انسان سے کوئی اختلاف نہ ہوتا، لیکن خداوند کائنات نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾ [المائدة: 48] وہ چاہتا تھا کہ وہ اس نعمت کے ذریعہ تمہیں آزمائے جو نعمت اس نے تمہیں عطا کی، جو نعمت تمہارے پاس موجود ہے اور وہ نعمت ہے عقل اور اختیار کی نعمت، وہ تمہیں آزمانا چاہتا تھا کہ کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو خیر کے لئے استعمال کرتا ہے اور کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو شر کے لئے استعمال کرتا ہے۔ کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو عدل اور امن کے لئے استعمال کرتا ہے اور کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو ظلم و جبر کے لئے استعمال کرتا ہے۔ کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو لوگوں کے حقوق اور ان کی ضرورت کے لئے استعمال کرتا ہے اور کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو اپنے اغراض و مفاد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو جرات و عزیمت کے لئے استعمال کرتا ہے اور کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو بزدلی، کمزوری نظریہ ضرورت اور دبائو کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے، کون تم میں سے اپنے عقل و اختیار کو عالمی استعماری قوتوں کے ایجنڈہ کی نذر کر دیتا ہے اور کون تم میں سے قومی و ریاستی اسٹیبلشمنٹ کے لئے اپنے عقل و اختیار کو قربان کر دیتا ہے۔ کون اپنے عقل و اختیار کے ذریعہ کمزور

معصیت کی راہوں پر چلتا ہے اور کون اپنے عقل و اختیار کے ذریعے ایمان و تقویٰ اور فلاح و نجات کی منزل حاصل کرتا ہے۔ کون اپنے عقل و اختیار کے ذریعہ بدی اور گناہ کے پیچھے بھاگتا ہے اور کون اپنے عقل و اختیار کے ذریعہ نیکی اور اچھائی کے ثمرات سمیٹتا ہے۔ یہ انسانی وجود کے اندر اور انسانی وجود سے باہر خیر اور شر کی جنگ جاری ہے۔ اس جنگ میں بندہ کی عقل اور بندہ کا اختیار ہی وہ مین اور مرکزی کردار ہے جو انسان کو ہدایت یا ضلالت کی منزل تک پہنچاتا ہے۔

موت و حیات کا فلسفہ اسی آزمائش کی بنیاد پر کھڑا ہے!

اور اگر قرآنی تعلیمات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو صاف اور واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ انسان کا یہی اختیار اس کی سب سے بڑی آزمائش ہے اور اسی آزمائش کی بنیاد پر قدرت نے زندگی اور موت کا فلسفہ کھڑا کیا ہے اور اسی آزمائش کے لئے اللہ رب العزت نے موت و حیات کی تخلیق کی ہے،

خداوند کائنات فرماتے ہیں:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [الملك: 2]

اللہ ہی کی وہ ذات ہے جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ ان کے ذریعہ وہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اچھے عمل کرتا ہے اور کون تم میں سے بُرے عمل اپناتا ہے۔ زندگی اور موت کا قانون انسان کی اسی آزمائش کے لئے بنایا گیا ہے اور اسی قانون کے تحت انسان کو خلافتِ ارضی دی گئی ہے، اب اللہ رب العزت کے اس قانون قدرت پر غور کیجیے کہ ہر انسان کو خیر اور شر کی صلاحیت سے نوازا گیا، پھر اسے اختیار دیا گیا تاکہ اس کے ذریعہ اس کے خیر و شر کی صلاحیت کو آزمایا جائے۔ پھر اسے عقل کی دولت سے نوازا گیا تاکہ اس کے ذریعہ اس کے اختیار کا امتحان لیا جائے۔ پھر اسے وحی کے علم سے نوازا گیا تاکہ اس کے ذریعہ اس کی عقل کو آزمایا جائے اور پھر اسے زندگی دی گئی تاکہ اس کے ذریعہ اس کے علم کو آزمایا جائے کہ کون اس علم کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور کون حیوانی اور نفسانی زندگی اختیار کرتا ہے۔

قرآن، ایمان و کفر کی آزمائش کا ذریعہ ہے!

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الكهف: 29]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم سے فرما دیجیے کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے حق اور سچ ہے، اس کا حق اور سچ ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، میں نے یہ حق اور سچ پورے کا پورا تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، اَب تمہاری مرضی ہے، تمہارا اختیار ہے، تمہاری صوابدید ہے کہ تم میں سے جو چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جو چاہے اس کا انکار کر دے جو چاہے اسے قبول کر لے اور جو چاہے اسے رد کر دے، جو چاہے اسے اپنا لے اور جو چاہے اسے جھٹلا دے، یعنی اس قرآن پر ایمان لانا ابھی انسان کا اپنا اختیار ہے اور اس کا انکار کر دینا بھی انسان کی اپنی صوابدید پر مبنی ہے۔

ایک اور مقام پر خداوند کائنات کا ارشاد ہے کہ:

﴿كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (١١) فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ (١٢)﴾ [عبس: 11-12]

لوگو! خبر دار ہو جائو قرآن تمہارے پاس ایک نصیحت بن کر آیا ہے، اب تمہاری مرضی اور تمہارا اختیار ہے تم میں سے جو چاہے اس نصیحت کو قبول کر لے اور جو چاہے اس نصیحت سے منہ پھیر لے، یعنی قرآن تو بلاشک و شبہ نصیحت کی کتاب ہے، لیکن اس نصیحت کو قبول کر لینا یا اسے نظر انداز کر دینا انسان کے اپنے اختیار میں ہے، انسان چاہے تو اس نصیحت کو قبول کر کے ہدایت و نجات کی منزل پالے۔ اور چاہے تو اسے نظر انداز کر کے ضلالت و گمراہی کا ٹھکانہ حاصل کر لے۔ یہ دونوں عمل اس کے اختیاری اور صوابدیدی ہیں وہ نہ تو انہیں قبول کرنے کے لئے مجبور و بے بس ہے اور نہ انہیں رد کرنے پر لاچار ہے، البتہ دونوں کی منزلیں الگ الگ ہیں۔

انسانی راہنمائی کا قرآنی اصول و ضابطہ!

پھر ہمارے پیارے چیف جسٹس نے قرآن پاک کی اس آیت کا حوالہ تو دیدیا ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا﴾ [يونس: 99] کہ اگر آپ کا رب چاہتا تو

پوری زمین کے سارے انسانوں کو مومن اور مسلمان بنا دیتا۔ تمام انسان فرشتوں کی طرح مومن اور متقی ہوتے، کوئی انسان کافر اور فاسق و فاجر نہ ہوتا۔ مگر جناب چیف جسٹس اگر اس آیت کریمہ کی طرف بھی توجہ فرما لیتے جس میں اللہ رب العزت نے انسانی راہنمائی کا اصول و ضابطہ بیان فرمایا ہے تو وہ تفسیر بالرائے کی اس سنگین غلطی سے بچ جاتے۔ خداوند کائنات فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ [الرعد: 11] اللہ رب العزت کا اصول و ضابطہ یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش اور جدوجہد نہیں کرتی، اللہ رب العزت بھی اس قوم کی بگڑی ہوئی حالت کو تبدیل نہیں کرتا، مولانا ظفر علی خان مرحوم نے اس آیت کا بڑا خوبصورت منظوم ترجمہ کیا ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ اللہ کا قانون ہے اس کی سنت ہے، اس کا ضابطہ ہے کہ وہ کسی فرد یا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک وہ قوم یا وہ فرد خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہ کرے، جب کسی قوم کی حالت اس کی غلطیوں کی وجہ سے بگڑ جاتی ہے وہ قوم جب اپنی حقیقی تعلیم کو نظر انداز کر دیتی ہے، اپنی تہذیب سے کنارہ کشی اختیار کر لیتی ہے، اپنے تمدن سے منہ موڑ لیتی ہے جب اس کا اخلاق و کردار من حیث القوم بگڑ جاتا ہے جب اسے غیر ملکی قرضوں کا چسکا پڑ جاتا ہے جب اس کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے جب اس کی سیاست خود غرض ہو جاتی ہے، جب اس کی عدالت خوف اور دبائو کا شکار ہو جاتی ہے، جب اس کا انتظامی ڈھانچہ کھوکھلا ہو جاتا ہے جب اس کا سماج و معاشرہ جرائم کا گڑھ بن جاتا ہے تو خداوند کائنات اس قوم کی حالت اس وقت تک تبدیل نہیں کرتے جب تک وہ قوم خود اپنے اندر تبدیلی کا ادراک اور احساس پیدا نہیں کر لیتی جب تک اس قوم کے اپنے دل کے اندر تبدیلی کی طلب اور تڑپ پیدا نہیں ہوتی۔ تبدیلی کا صرف نعرہ کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے سنجیدہ کوشش اور منظم جدوجہد بھی ضروری ہوتی ہے۔

جو قوم اپنی حالت بدلنے کے لئے اپنا ارادہ، اپنی صلاحیت، اپنے وسائل اور اپنی انفرادی و

اجتماعی ذمہ داری بروئے کار نہیں لاتی۔ اس کے لئے عملی جدوجہد نہیں کرتی، اس کے لئے اپنے ووٹ کا صحیح استعمال نہیں کرتی، اپنی سیاسی و قومی قیادت منتخب کرنے کے لئے اپنے ایمان، اپنے ضمیر اور اپنی امانت و دیانت کے مطابق فیصلے نہیں کرتی، صرف اپنے مفاد، اپنے ماحول اور اپنے سیاسی و شخصی تعلق کو سامنے رکھتی ہے۔ وہ قوم کبھی ترقی و فلاح کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی اور جب قوم من حیث القوم اپنی سمت درست کرلیتی ہے، اپنے لئے نجات و فلاح کی منزل متعیّن کرلیتی ہے اور اس منزل کی طرف ترقی و عروج کا سفر شروع کرلیتی ہے، اس کے لئے اپنی ہر صلاحیت کو بروئے کار لاتی ہے تو خداوند کائنات اپنے خصوصی فضل و کرم اور اپنی خاص توفیق و توجہ کے ذریعہ اس کی ترقی اور منزل کے راستے آسان فرمادیتے ہیں، اس کے عروج کی منزلیں قریب کردیتے ہیں اس کے عزم اور عمل کے اندر برکتیں عطا فرماتے ہیں۔

مَنْ جَدَّ وَجَدَ کا سنہری اور زریں اصول!

ہمارے عربی ادب میں ایک محاورہ مشہور ہے مَنْ جَدَّ وَجَدَ جس نے کوشش کی اس نے اپنی کوشش کا پھل پالیا، یعنی کوشش اور جدوجہد کا پھل ضرور ملتا ہے اسی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورہ عنکبوت کی آیت نمبر ۶۹ میں خداوند کائنات فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت: 69] جو لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے اور نجات کی منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں گے، میرا قرب اور میری رضا حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے میں ضرور بالضرور اپنے راستوں اور ان کی منزل کی طرف ان کی راہنمائی کروں گا، یعنی اپنی عقل اور اپنے اختیار کے ذریعہ وہ اپنی منزل خود متعیّن کریں گے، ہماری رضا اور اپنی نجات کے راستہ پر وہ خود چلیں گے لیکن ان کو ان کی منزل تک پہنچانے کے لئے ان کی مدد اور ان کی راہنمائی ہم کریں گے۔ یعنی کوشش کرنا بندہ کا کام ہے اور اس کوشش کا پھل دینا اللہ کا کام ہے۔

اسی جدوجہد کے بارہ میں خدواند کائنات سورہ عنکبوت کی آیت نمبر۶ میں فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ﴾ [العنکبوت: 6] جس نے اللہ کے قرب و رضا اور اپنی نجات و

فلاح کے لئے مجاہدہ کیا، جدوجہد کی، محنت و کاوش سے کام لیا، اس نے یہ جدوجہد کرکے کسی پر احسان نہیں کیا، بلکہ یہ جدوجہد اس نے اپنے ہی نفع کے لئے کی، اپنے فائدہ کے لئے کی، اس جدوجہد کا فائدہ اس کی اپنی ذات کو ہی پہنچے گا۔ قرآنِ مقدس جگہ جگہ پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ انسان احکام شرعیہ کا مکلف ہے، اس کے لئے حق و باطل اور نیکی و بدی کی ہر شکل و صورت واضح کردی گئی ہے، حق و باطل اور نیکی و بدی میں فرق کرنے کے لئے اسے عقل و شعور جیسی دولت سے بھی نوازا گیا ہے، اس لئے وہ ایمان و کفر اور نیکی و بدی میں سے کسی کو اختیار کرنے پر مختار ہے، مجبور محض نہیں ہے۔

انسان کے مجبور محض ہونے کا عقیدہ مشرکین کا تھا!

میں یہاں یہ بات واضح کردوں کہ عقیدہ تقدیر پر ہمارا پورا ایمان ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے دائمی اور ہمہ گیر علم کے ذریعہ تمام انسانی اعمال و افکار کو تخلیق آدم سے پہلے ہی لوح محفوظ پر لکھ دیا تھا۔ یعنی ہر انسان کا ہر وہ فکر اور ہر وہ عمل جو اس نے اپنی عقل اور اپنے اختیار سے کرنا تھا، اللہ رب العزت نے اپنے علم کے مطابق اسے پہلے ہی لکھ دیا ہے، بس ایک جملہ سے بات سمجھ لیجیے کہ انسان وہ نہیں کرتا جو اللہ نے لکھا ہوا ہے، بلکہ اللہ نے وہ لکھا ہوا ہے جو انسان نے اپنے اختیار سے کرنا تھا، تقدیر کا تعلق انسان کے عمل سے نہیں اللہ کے علم سے ہے، یہ بڑا دقیق اور مشکل مسئلہ ہے اسی لئے امت کے دو گروہ عقیدہ تقدیر کی وجہ سے حق کا راستہ چھوڑ گئے اور اہل سنت والجماعت سے الگ ہوگئے، ایک فرقہ جبریہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے، اس کے پاس فکر و عمل کا کوئی اختیار نہیں اور دوسرا فرقہ قدریہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ علم الٰہی اتنا وسیع نہیں کہ معاذ اللہ تعالیٰ کسی کام کے واقع ہونے سے پہلے اسے اس کا علم حاصل ہوسکے، اس لئے تقدیر کوئی چیز نہیں، انسان خود مختار ہے اور اپنے اختیار سے اپنے عمل کے مطابق اپنی تقدیر خود بناتا ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ دونوں گروہ ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں، ہم نہ علم الٰہی کے منکر ہیں اور نہ بندہ کے اختیار کی نفی کرتے ہیں، قرآن کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو مجبور محض ماننے کا عقیدہ مشرک قوموں کا تھا، وہ نبیوں کے سامنے یہی عذر بیان کرتے تھے کہ ہم مجبور محض ہیں ہم جو کچھ کرتے ہیں

خود نہیں کرتے بلکہ اللہ ہم سے کراتا ہے، ہم تو اس کے کرنے پر مجبور ہیں۔

خداوند کائنات سورہ نحل کی آیت نمبر ۳۵ میں فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [النحل: 35]

وہ لوگ جنہوں نے شرک کا راستہ اختیار کیا وہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں سے کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کبھی نہ کرتے، ہمارے آبائو اجداد بھی کبھی مشرک نہ ہوتے، وہ بھی کبھی شرک کا راستہ اختیار نہ کرتے اور ہم اللہ کے احکامات کی حرمت بھی کبھی پامال نہ کرتے۔

یعنی مشرک قوموں کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم جو شرک کر رہے ہیں، غیر اللہ کی پوجا کر رہے ہیں، بت پرستی اور قبر پرستی میں جو مبتلا ہیں اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں اور نہ یہ اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ شرک، یہ بت پرستی اور یہ قبر پرستی ہم اپنے اختیار سے کر ہی نہیں رہے، بلکہ اللہ کی قدرت اور اس کی رضا سے کر رہے ہیں، یہ سب کچھ ہم سے وہی کروا رہا ہے، ہم اس کی قدرت کے سامنے بالکل بے بس اور لاچار ہیں۔ اگر اللہ کو ہماری یہ بت پرستی اور قبر پرستی پسند نہ ہوتی تو وہ ہمیں ہرگز اس کام کی توفیق نہ دیتا، وہ ہمیں کبھی شرک نہ کرنے دیتا، اپنی قدرت اور طاقت کے ذریعہ ہمیں روک دیتا۔ وہ اگر چاہتا تو ہم کبھی شرک میں مبتلا نہ ہوتے، قرآن کا دعویٰ ہے کہ انسان کے مجبور محض ہونے کا عقیدہ مشرکین کا تراشا ہوا ہے۔ یہ ان کا حیلہ اور بہانہ تھا، خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے بچنے کے لئے، ان کا عقیدہ تھا کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں خود اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے نہیں کر رہے، بلکہ اللہ ہی ہم سے یہ سب کچھ کروا رہا ہے۔ ہم اس کے سامنے بالکل مجبور محض ہیں، وہ اگر چاہتا تو ہم مشرک نہیں موحد ہوتے، وہ اگر چاہتا تو ہم فاسق و فاجر نہیں متقی و پرہیز گار ہوتے۔

کیا یہ ریاستی و عدالتی سسٹم بھی قرآن کے خلاف ہے؟

قرآن کا یہ عقیدہ بڑا واضح ہے کہ انسان کے مجبور محض ہونے کا عقیدہ مشرکین کا تھا جو غلط اور

بے بنیاد تھا۔ لیکن بدقسمتی سے عصر حاضر کے منکرین حدیث کا بھی یہی عقیدہ ہے ۔ جناب چیف جسٹس سے ہماری درخواست ہے کہ وہ قرآن پاک کی اس آیت کریمہ پر تھوڑا سا غور فرمالیں، خداوند کائنات سورہ انعام کی آیت نمبر ۳۵ میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى﴾ [الأنعام: 35]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ چاہتا تو پوری انسانیت کے تمام لوگوں کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

یعنی ہر زمانے اور ہر خطے کے تمام لوگ صحیح اور درست راستہ پر گامزن ہوتے ۔ پورے انسانی معاشرہ کے اندر، پوری انسانی نسل کے اندر نہ کوئی چور ہوتا، نہ کوئی ڈاکو ہوتا، نہ کوئی کرپٹ اور راشی ہوتا، نہ کوئی راہزن ہوتا اور نہ کوئی لٹیرا ہوتا، نہ کوئی قاتل اور خونی ہوتا، نہ کوئی ظالم اور غاصب ہوتا، نہ کوئی پاکٹ مار اور نشئی ہوتا، نہ کوئی اغوا کار اور بھتہ خور ہوتا، نہ ان کے لئے نبوت و رسالت کی ضرورت ہوتی ، نہ ان کے لیے ریاست وعدالت کا قیام ضروری ہوتا نہ کسی جج اور قاضی کا منصب ہوتا، نہ کسی جسٹس اور مجسٹریٹ کا عہدہ ہوتا، نہ کسی قاضی القضاۃ اور چیف جسٹس کی مسند ہوتی، نہ کسی سلطان اور پارلیمان کے محل ہوتے، نہ کسی پریزیڈنٹ اور گورنر کے میلوں میں پھیلے ہوئے بنگلے ہوتے، نہ کسی پرائم منسٹر اور چیف منسٹر کی کرسی ہوتی، یہ سارے پکھنڈ راور بکھیرے اسی واسطے تو ہیں، یہ سارا نظام اور سسٹم اسی لئے تو ہے کہ انسانوں کی کثیر تعداد کے ہدایت پر نہ ہونے کا امکان اور خطرہ موجود ہے۔ انسان کے اندر جرم کرنے کا اختیار موجود ہے، انسان کے اندر مثبت ومنفی ، پازیٹو اور نیگیٹو سوچ موجود ہے، انسان کے اندر خیر اور شر کی صلاحیت موجود ہے، وہ جرم اپنے اختیار سے کرتا ہے تو سزا کا حق دار ہوتا ہے، ورنہ کسی قاضی اور جسٹس کی کیا مجال کہ اسے سزا دے سکے، انسان کے اسی اختیار کی وجہ سے تو وہ جزاو سزا کا حق دار قرار پایا ہے۔

کیا جنت وجہنم کے ٹھکانے فضول اور بے مقصد ہیں؟

اس کے لئے جزاو سزا کا یہ قانون دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی ہے، عذاب وثواب کا یہ قانون اس کے لئے دنیا میں بھی موجود ہے اور آخرت میں بھی موجود رہے گا۔ اور یہ قانون انسان

کے اسی اختیار کی وجہ سے ہے، جو اختیار قدرت کی طرف سے دے کر اسے دنیا میں بھیجا گیا ہے، اس کے اسی اختیار کی وجہ سے اس کے کندھوں پر کراماً کاتبین بٹھائے گئے ہیں، اسی اختیار کی وجہ سے اس کے لئے حساب وکتاب کا قانون بنایا گیا ہے، اس کے اسی اختیار کی وجہ سے اس کے لئے میزان قائم ہوگا، اس کے اسی اختیار کی وجہ سے اس کے لئے جنت وجہنم کے ٹھکانے تیار کئے گئے ہیں، اگر انسان کے پاس یہ اختیار نہ ہوتا تو اس کے لئے دنیا وآخرت میں کسی جرم کی سزا مقرر نہ ہوتی، اگر اس کے پاس یہ اختیار نہ ہوتا تو دنیا وآخرت میں اس کے کسی عمل صالح کا اجر نہ ہوتا، نہ اس کے لئے دنیا میں عدالتیں لگتی، نہ اس کے لئے اصلاح وہدایت کے قانون بنتے، نہ جرم، جرم ہوتا، نہ قید وبند اور موت وجرمانہ کی سزائیں ہوتیں، نہ کورٹ ہوتا نہ جج، نہ وکیل ہوتا نہ منشی، نہ گرفتاری ہوتی نہ ضمانت، نہ تھانہ ہوتا نہ کچہری، ہر طرف امن ہی امن ہوتا، چین کی بانسری بجتی، سکون کے مور ناچتے لیکن ایسا نہیں ہوا، کیونکہ قدرت نے انسان کے اندر خیر وشر کی جو صلاحیتیں رکھی ہیں ان کی آزمائش ضروری تھی اور اسی آزمائش کے لئے یہ نظام چل رہا ہے، ورنہ حیوانوں اور جانوروں کے لئے کوئی ریاست کیوں نہیں ہے؟ وہ آپ کے چڑیا گھروں میں کیوں بند پڑے ہیں؟ ان کے لئے کوئی عدالت کیوں نہیں ہے؟ ان کے لئے کوئی قانون اور ضابطہ کیوں نہیں ہے؟ ان کے لئے حلال وحرام کے احکام کیوں نہیں ہیں؟ اس لئے کہ ان کے پاس نہ عقل ہے اور نہ اختیار، بس اپنا اپنا زور ہے اور جنگل کا قانون۔

کیا ریمورٹ کنٹرول مجرم کو سزا دی جاسکتی ہے؟

جرم وسزا کے حوالہ سے یہ اصول بھی ہمیشہ سامنے رکھئے کہ اسلام اور قانون دونوں جرم کی سزا کے لئے عقل کو بنیاد بناتے ہیں۔ اگر مجرم کے اندر عقل موجود نہ ہو یا اس کی حالت ایسی ہو کہ وہ عقل استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو تو اسے کسی جرم کی سزا نہیں دی جاتی، اسلام تین قسم کے لوگوں کو مرفوع القلم قرار دیتا ہے، یعنی ان کے بارہ میں نہ کراماً کاتبین کا قلم چلتا ہے اور نہ قاضی اور جج کا قلم چلتا ہے ان میں سے پہلا بچہ ہے جو ابھی نادان اور بے شعور ہے، وہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوا اور اس میں ابھی عقل نہیں آئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ایسا بچہ مرفوع القلم ہے یعنی نہ اس کا جرم جرم

ہے اور نہ اس جرم کے لئے کوئی سزا ہے، صرف اس کی تربیت واصلاح کے لئے اس کی ہلکی مار پیٹ کی جاسکتی ہے۔

دوسرا شخص جو مرفوع القلم ہے وہ فاتر العقل، پاگل اور مجنون ہے کیونکہ اس کے اندر سرے سے عقل ہی موجود نہیں ہے، وہ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ اس لئے نہ اس کا جرم جرم ہے اور نہ اس جرم کی کوئی سزا ہے۔

تیسرا شخص نائم ہے یعنی سونے والا کیونکہ نیند کی حالت میں اس کی عقل کام نہیں کررہی، نیند کی وجہ سے اس کی عقل کام کرنا چھوڑ گئی ہے۔ اس لئے بحالت نیند اگر کوئی شخص جرم کرتا ہے تو وہ جرم جرم نہیں اور نہ اس جرم کی کوئی سزا ہے۔

ان تینوں کے بارہ میں ہمارے قانون میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ ان کا جرم، جرم نہیں ۔ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۸۲ اور دفعہ ۸۳ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ۷ سال سے کم عمر کے بچہ کا کوئی جرم جرم نہیں اور نہ ۱۲ سال کے اس بچہ کا جرم جرم ہے جس کا شعور ابھی پختہ اور مضبوط نہیں ہوا۔ اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۸۴ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ کسی فاتر العقل، پاگل ومجنون شخص کا جرم بھی جرم نہیں اور دفعہ ۸۵ میں صراحت کی گئی ہے کہ نشہ کی وجہ سے جو شخص صحیح اور غلط میں تمیز کرنا بھول جائے اس کی یہ صلاحیت ختم ہوجائے تو اس کا جرم بھی جرم نہیں کیونکہ نشہ عقل کو کھا جاتا ہے، نشہ میں آدمی اکثر آپے سے باہر ہوجاتا ہے، آئوٹ آف کنٹرول ہوجاتا ہے اور نیک وبد میں تمیز کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے، یعنی اصول شرعی اور قانون ملکی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ جرم کو جرم قرار دینے کے لئے مجرم کے اندر عقل وشعور اور فہم وادراک ضروری ہے اور یہ شرط اسی لئے رکھی گئی ہے کہ انسان کا اختیار انسان کی عقل کے تابع ہے، انسان وہی کرتا ہے جو اسے اس کی عقل کہتی ہے، جب عقل ہی باقی نہ ہو تو اختیار کی حیثیت ہی ختم ہوجاتی ہے، اختیار کے استعمال کا سب سے بڑا سبب اور ذریعہ عقل وشعور ہی تو ہے، اختیار کے لئے عقل جرم کا ہتھیار ہے اگر یہ ذریعہ اور ہتھیار ہی مفقود ہوجائے ناپید ہوجائے تو پھر ایسے انسان کا نہ گناہ، گناہ رہتا ہے اور نہ اس کے جرم کو جرم کہا جاسکتا ہے، اس لئے جرم اور اس کی سزا کے حوالہ سے انسانی اختیار کو نظر انداز کردینا بذات خود جرم

ہے۔

نائم بھی مرفوع القلم ہے!

میں عرض کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں نائم یعنی سونے والا بھی مرفوع القلم ہے، اس کا جرم بھی ناقابل تحریر اور ناقابل سزا ہے، آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بعض لوگوں کو نیند میں باتیں کرنے، نیند میں چلنے اور نیند میں کام کرنے کا مرض لاحق ہوتا ہے، وہ گہری نیند میں اٹھ کے چلنا شروع کر دیتے ہیں، گہری نیند میں کسی کو تھپڑ دے مارتے ہیں، وہ خواب میں فٹ بال کھیل رہے ہوتے ہیں اور لاتیں پاس پڑے ہوئے آدمی کو دے مارتے ہیں، خواب میں اکھاڑہ کے اندر کشتی کھیل رہے ہوتے ہیں اور پاس بیٹھے ہوئے آدمی کو اٹھا کے پٹخ دیتے ہیں، وہ گہری نیند میں بسا اوقات ایسا کام کر گزرتے ہیں جو قابل تعزیر جرم ہوتا ہے اور جرم کے حوالہ سے اس پر فوجداری مقدمہ بن سکتا ہے اس پر سخت ترین سزا لاگو ہو سکتی ہے۔ لیکن اس مریض کا دماغ چونکہ گہری نیند کی وجہ سے اپنے کنٹرول میں نہیں ہوتا اور نہ اسے اپنے جرم کا احساس ہوتا ہے اس لئے نہ شریعت اسے سزا دیتی ہے اور نہ قانون اسے مجرم قرار دیتا ہے۔

کیا ہپناٹائز یا جادو کا شکار مجرم قابل مواخذہ ہے؟

دنیا میں بعض بدبخت اور بدنصیب لوگ ایسے بھی ہیں جو جادو کے علم یا ہپناٹائز کے ماہر ہوتے ہیں وہ اپنی دماغی شکتیوں اور جادوئی علم کے ذریعہ دوسرے شخص کے دماغ کو ہپناٹائز کے ذریعہ اپنے کنٹرول میں کر لیتے ہیں اور یا جادو کے ذریعہ اس کے دماغ کو مائوف یا مسحور کر دیتے ہیں، ہماری جدت پسند دنیا وحی کے علوم اور نبی کے معجزات کو نہیں مانتی، مگر جادو اور ہپناٹزم کو تسلیم کرتی ہے۔ اب ہپناٹز کا ماہر کسی انسان کے ذہن کو ہپناٹائز کر کے یا کوئی جادوگر اپنے جادو کے ذریعہ کسی انسان کا ذہن مسحور یا مائوف کر کے اس سے اپنی مرضی کا کام لیتا ہے۔ اس سے چوری کرواتا ہے، اس سے ڈکیتی کی واردات کراتا ہے، اس سے قتل کرواتا ہے تو میرے خیال میں اس آدمی کا مسحور ہونا یا ہپناٹائز ہونا ٹھوس اور ناقابل تردید ثبوت و شواہد سے ثابت ہو جائے تو دنیا کی عدالت اسے سزا نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اس حالت میں وہ جو کچھ کر رہا ہے اختیار سے نہیں مجبوری سے کر رہا ہے۔ اس کی حیثیت

ریموٹ کنٹرول مشین کی ہو کر رہ گئی ہے، وہ چل نہیں رہا اسے چلایا جارہا ہے، وہ کر نہیں رہا اس سے کرایا جارہا ہے، وہ تو مجبور محض ہے، اس کے جرم کو کیسے جرم قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اسے اس جرم کی سزا کیسے دی جاسکتی ہے؟ جرم تو جادوگر اور ہپناٹائزر کا ہے اور سزا بھی انہیں ہی ملنی چاہئے وہی اصل سزا کے حق دار ہوسکتے ہیں؟

انسان بھی اگر روبوٹ یا ڈرون ہے تو ہرگز قابل مواخذہ نہیں!

یہاں تو بلیک میلنگ کے ذریعہ جرائم کرائے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ حکومتی اداروں اور عوامی پیشہ وروں کے اندر بکثرت پایا جاتا ہے، آئے دن کسی نہ کسی کی وڈیو یا آڈیو قومی اور سوشل میڈیا پر لیک ہورہی ہوتی ہے۔ یہاں تو کسی کے بچوں اور گھر والوں کو اغوا کرکے زبردستی اسے غلط اور غیر قانونی کاموں پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہاں تو ریاستی جبر کی وجہ سے کئی باضمیر انسان خودکشی تک کر گزرتے ہیں، کئی اپنے ضمیر کی آواز گلے سے باہر نکالتے ہیں تو اگلے دن یوٹرن لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں، میں عرض یہ کررہا ہوں کہ انسان اگر مجبور محض ہے تو اس کی حیثیت ریموٹ کنٹرول کیمرہ یا ڈرون سے زیادہ کچھ نہیں۔ پھر وہ صرف ایک روبوٹ ہے اور عقل وعدل کا کوئی قانون، کوئی ضابطہ کسی ریموٹ کنٹرول روبوٹ کو کسی قسم کے جرم کی سزا نہیں دے سکتا، انسان اگر ایمان وعمل کے حوالہ سے بالکل بے اختیار اور لاچار ہے تو پھر نہ مذہب اسے کوئی سزا دے سکتا ہے اور نہ ریاست اس پر کوئی سزا نافذ کرسکتی ہے، پھر نہ ریاست کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ عدالت کی، نہ مقننہ کی نہ عدلیہ کی، پھر تو پورا ریاستی وعدالتی سسٹم ہی سمیٹ دینا چاہئے، کیونکہ پھر چور چوری کرتا نہیں اس سے چوری کرائی جاتی ہے، سزا اسے کیوں؟ قاتل قتل کرتا نہیں اس سے کرایا جاتا ہے، بدلہ میں قتل وہ کیوں؟ جناب چیف جسٹس کے اس فہم قرآن اور ان کی تفسیر بالرائے پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ انسان کے مقصد تخلیق کے بھی خلاف ہے۔ انسان کے مقصدِ خلافت کے بھی خلاف ہے، انسان کے مقصد حیات کے بھی خلاف ہے، انسان کے تصور ریاست کے بھی خلاف ہے، انسان کی ضرورت عدالت کے بھی خلاف ہے۔ یہ تفسیر بالرائے تو پورے قرآنی فلسفہ کی بنیاد ہی ہلا رہی ہے۔ اس لئے کوئی ہوش مند مسلمان مقاصد قرآنی اور تعلیماتِ قرآنی کے منافی اس تفسیر بالرائے کو قبول کرنے کے لئے تیار

اور آمادہ نہیں ہوسکتا۔

جناب چیف جسٹس کا آیاتِ فکر و تدبر سے غلط استدلال!

اس کے بعد جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلہ کے اندر ان دو آیاتِ کریمات سے بھی استدلال کیا ہے جن آیات میں خداوند کائنات نے اہل علم و عقل کو عالمِ کائنات اور قرآنی احکامات پر فکر و تدبر کی دعوت دی ہے میں پوری ذمہ داری اور ہوش مندی سے یہ دعویٰ کر رہا ہوں کہ بخدا کوئی صاحب علم مسمان یہ سمجھ نہیں پارہا کہ ان آیات کریمات کا آخر مقدمہ اور فیصلہ سے کیا تعلق ہے؟ اور اس فیصلہ کے اندر ان آیات کا حوالہ دینے کا مقصد کیا ہے؟ آپ بھی ان آیات پر غور کر لیجیے۔ جناب چیف جسٹس نے سورہ نحل کی آیت نمبر ۴۴ کا حوالہ دیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں خداوند کائنات فرماتے ہیں کہ:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

[النحل: 44]

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ پر قرآن اتارا تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں۔

اور پھر لوگ اس قرآن کے بارہ میں غور و فکر سے کام لیں۔ اس آیت کریمہ میں خداوند کائنات کی طرف سے قرآنی احکامات اور قرآنی مقاصد پر غور و فکر کی دعوت دی جارہی ہے۔ لیکن ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ جب کسی معاملہ میں فکر و تدبر کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ دعوت ماوشما سب کے لئے نہیں ہوتی، عام و خواص سب کو اس میں نہیں بلایا جاتا، بلکہ اس معاملہ سے تعلق رکھنے والے علماء اور ماہرین ہی اس دعوت کے مخاطب ہوتے ہیں۔ اگر کسی قانونی مسئلہ میں فکر و تدبر کی دعوت دی جائے گی تو کوئی وکیل و جج کسی مولوی، انجینئر اور ڈاکٹر کو بولنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اور للکار کر کہے گا کہ یہ حق صرف میرا ہے۔ یہ حق صرف ان کا ہے جن کے پاس لاء کی ڈگری ہے جن کے پاس بار کونسل کا لائسنس ہے اور اگر ان سے کہا جائے کہ قانون تو ہم سب کا ہے پھر مجھے فکر و تدبر کا حق کیوں نہیں؟ تو جواب ملے گا اس لئے کہ تمہارے پاس قانون کی ڈگری اور بار کونسل کا لائسنس نہیں ہے اور میں

پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جناب چیف جسٹس بھی اپنی عدالت کے اندر مجھے قانونی رائے دینے کی اجازت نہیں دینگے کیونکہ میرے پاس نہ ڈگری ہے اور نہ لائسنس۔

میڈیکل کے کسی مسئلہ پر فکر و تدبر کا کنونشن ہو اس میں صرف ان ڈاکٹروں کو دعوت دی جاتی ہے جن کے پاس میڈیکل کی سند سالہا سال کی پریکٹس کا تجربہ اور سرجری کی مہارت ہو، وہاں کوئی ڈاکٹر شاید چیف جسٹس کو بھی بولنے کی اجازت نہ دے اور للکار کے کہے کہ یہ صرف میڈیکل ماہرین کا حق ہے، یہاں کوئی دوسرا اپنی رائے نہیں دے سکتا۔

یہ اصول و ضابطہ تو ہر مسلمان جانتا ہے، ہر عقل منداور باشعور انسان جانتا ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں فکر و تدبر کی دعوت دی جائے تو دعوت صرف اس مسئلے کہ علماء اور ماہرین کے لئے ہوتی ہے لیکن ہمارے ہر طبقہ کے بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے قرآن مقدس کو معاذ اللہ تعالیٰ ایک لاوارث کتاب بنا کے رکھ دیا ہے جس جج، جس بیوروکریٹ، جس انجینئر، جس وکیل، جس پروفیسر اور جس ڈاکٹر کا جی چاہتا ہے قرآن پاک کے اردو ترجمے کو سامنے رکھ کر فکر و تدبر شروع کر دیتا ہے۔ اس کے لئے نہ علم کی ضرورت، نہ مہارت کی ضرورت، نہ ڈگری کی ضرورت اور نہ ہی اصولوں کی ضرورت بس اردو ترجمہ اور اپنی عقل۔ ان دونوں کے ذریعہ قرآن پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ قرآن پر غور و فکر ہو رہا ہے، عقل، نیچر اور لغت کے ذریعہ قرآن کو اپنی عقل میں نہیں بلکہ اپنی عقل کو قرآن میں فٹ کیا جا رہا ہے، تفسیر بالرائے کے ذریعہ قرآن کی حقیقی صورت کو مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جب ان کو روکا جائے تو جواب ملتا ہے، قرآن تمام مسلمانوں کی کتاب ہے، کوئی بھی اس میں فکر و تدبر کر سکتا ہے، بھئی آئین اور قانون کی کتابیں بھی پوری قوم کی کتابیں، ان میں ہر شخص فکر و تدبر کیوں نہیں کر سکتا؟

جناب چیف جسٹس! قرآن فکر و تدبر کی دعوت ضرور دے رہا ہے مگر ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو نہیں بلکہ یہ دعوت صرف قرآن کے علماء اور ماہرین کے لئے ہے، فقہاء و مجتہدین کے لئے ہے اور قرآن کے ماہرین صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے ۱۴ سو سالہ مفسرین و متکلّمین اس قرآن کے افکار و فرامین پر اتنا فکر و تدبر کر چکے ہیں کہ اب میرے اور آپ کے لئے ان اسلاف امت سے ہٹ کر اور ان سے کٹ کر کسی فکر و تدبر کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں

بچتی۔ میرے اور آپ کے لئے اسی فکر و تدبر کو سامنے رکھنا اور اسی پر عمل پیرا رہنا کافی وضروری ہے اب از سر نو اس پر جدید فکر و تدبر کی کوئی بھی کوشش تفسیر بالرائے کے ذریعہ نئی تعبیرات سامنے لائے گی، جو گمراہی وضلالت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

دوسری آیت کریمہ کا مقصد فرعونیت کا راستہ روکنا ہے!

فکر و تدبر کی دعوت کے حوالہ سے جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلہ کے اندر دوسری آیت کا حوالہ سورہ یونس سے دیا ہے، سورہ یونس کی آیت نمبر ۲۴ میں خداوند کائنات فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی مثال ایسے ہے جیسے ہم نے بارش کے ذریعہ پانی اتارا، اس پانی کو زمین نے جذب کیا﴿ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ ﴾ [یونس: 24] ، پھر اس پانی کے ذریعہ زمین سے سبزیاں اُگتی ہیں جن سبزیوں کو انسان اور مویشی کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین اپنی ساری رونق اور پوری زینت درختوں، پودوں اور فصلوں کی صورت میں ظاہر کردیتی ہے تو﴿ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا ﴾ [یونس: 24] زمین کے مالک وکسان، اس کے زمیندار اور وڈیرے یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ زمین پر تو ہماری ہی قدرت و حکومت ہے، اس کا سبزہ اور ہریالی، اس کے کھیت اور باغات، اس کے پھل اور پھول سب ہماری محنت اور قدرت ہی کا کرشمہ ہیں، ہماری یہ محنت وقدرت نہ ہوتی تو زمین کا یہ سارا سبزہ باہر کیسے آتا؟ ابھی وہ یہ گمان کررہے ہوتے ہیں کہ اچانک دن یا رات کے وقت ہماری طرف سے ان فصلوں کی تباہی کا حکم آجاتا ہے، ہواؤں کے تیز جھکڑ اٹھتے ہیں، آندھی کے تیز طوفان چلتے ہیں، موسلا دھار بارشیں جل تھل مچادیتی ہیں، ژالہ باری اور برف باری فصلوں کو سفید کفن پہنادیتی ہیں۔ ٹڈی دل کی یلغار ہوجاتی ہے جو ساری کھیتی اور ہریالی کو تباہ کردیتی ہے، سیلابی ریلے آتے ہیں جو فصلوں کو زمین سمیت بہالے جاتے ہیں، فصلیں چورہ چورہ ہوجاتی ہیں، سب کھیت کھلیان ویران ہوجاتے ہیں، ایسے لگتا ہے جیسے کل یہاں کچھ بھی نہیں تھا، نہ کھیت تھے نہ کھیتی تھی، نہ سبزہ تھا نہ ہریالی تھی، نہ پودے تھے اور نہ فصلیں تھیں سامنے بنجر اور تھور زمین پڑی ہے،

﴿ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ [یونس: 24] اسی طرح تفصیل سے ہم اپنی نشانیاں بتاتے اور دکھاتے ہیں، اس قوم کو جو غور وفکر کرنے والی ہے، صاف نظر آرہا ہے کہ خداوند

کائنات اس آیت میں کائناتی تغیر و تبدیل، بنتی بگڑتی حکومتوں، زیر و زبر ہوتے ہوئے منصبوں، ٹوٹتی بکھرتی وزارتوں، شاہوں کے گدا اور گداؤں کے شاہ بننے والے حالات و واقعات ہر انسان کو فکر و تدبر کی دعوت دے رہے ہیں کہ اے انسان اللہ کی قدرت اور اس کی حاکمیت کو پہچان، اللہ کی قدرت کو اپنی قدرت اور اللہ کی حاکمیت کو اپنی حاکمیت سمجھنے کی غلطی مت کر، یہ غلطی پہلے فرعون اور نمرود بھی کر چکے ہیں اور ان کا انجام تیرے سامنے ہے، اپنی اوقات میں رہ کر بات کر، اپنی حدود میں رہ کر فیصلے کر۔

چار دن کی زندگی اور پھر اندھیری رات!

قدرت بھی اللہ کی ہے اور اقتدار بھی اللہ کا ہے، حاکمیت بھی اللہ کی اور اختیار بھی اللہ کا ہے، اللہ کی قدرت کو اپنی قدرت سمجھنے والو، اللہ کی حاکمیت کو اپنی حاکمیت سمجھنے والو، اللہ کے اقتدار کو اپنا اقتدار اور اللہ کے اختیار کو اپنا اختیار سمجھنے والو اور اس اقتدار و اختیار کو اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے خلاف استعمال کرنے والو، حکومت و عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر خدا کی حاکمیت کو بھول جانے والو، خوف، مفاد اور دبائو کے سایہ میں ظلم و ناانصافی اور جبر و استبداد پر مبنی فیصلے کرنے والو، اپنے منصب، اپنی کرسی، اپنے اقتدار اور اپنے اختیار کے نشہ میں خوفِ خدا اور فکر آخرت کو بھول جانے والو اس کائناتی حقیقت پر غور کرو۔ اس میں اصل اور حقیقی اقتدار و اختیار میرا ہی ہے جو میں نے چند دنوں کے لئے یا چند ہفتوں کے لئے، یا چند مہینوں کے لئے یا چند سالوں کے لئے تیرے حوالہ کیا تو تو خود اس پر خدا بن کے بیٹھ گیا؟ اللہ کی حاکمیت اعلیٰ والی ریاست میں تو خود حاکم اعلیٰ بن کر بیٹھ گیا؟ میں نے تجھے چند معمولی اختیارات کیا دیئے کہ تو قادر مطلق ہی بن بیٹھا، تیرے اندر نہ میری حیا رہی، نہ میرا خوف رہا، نہ موت کا ڈر رہا، نہ آخرت کا فکر رہا، اے انسان غور کر اپنی فرعونیت پر، غور کر اپنی اس جسارت اور بے باکی پر، غور کر اپنی اس ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی پر اور یاد رکھ تیرا یہ اقتدار و اختیار صرف تیری سوچ پر اور صرف تیرے فکر پر ہے، صرف تیرے عزم اور تیرے عمل پر ہے، کائنات پر تیرا کوئی اختیار نہیں، کائنات کو چھوڑ تیرا تو اپنی زندگی اور صحت پر کوئی اختیار نہیں، تیری زندگی اور صحت کی طرح تیرے اقتدار و اختیار پر بھی زوال ہے، بس چار دن کی زندگی پھر اندھیری رات۔

قرآن پہلے ایمان وعمل کی کتاب ہے پھر فکر وتدبر کی!

پھر موت، کفن، قبر، محشر، میزان، حساب وکتاب اور جنت وجہنم۔ اسی لئے خداوند کائنات اگلی آیت میں فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے کائناتی تبدیلیوں اور انسانی زندگی کے نشیب وفراز اور اس کے عروج وزوال پر فکر وتدبر کے بعد نیکی اور ایمانداری کا راستہ اپنالیا، اپنے اندر خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا کرلئے:

﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ [البقرة: 82]

وہ لوگ جنت والے ہیں ان کی منزل جنت ہے وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

اور جن لوگوں نے فکر وتدبر کے بعد بھی کفر وضلالت والا راستہ ہی اختیار کیا:

﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ [البقرة: 39]

وہ لوگ جہنمی ہیں، ان کا انجام اور ٹھکانہ جہنم ہے، وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے، یعنی ان آیات کریمات میں انسان کو کائناتی تبدیلیوں اور واقعاتی تغیر وتبدل کا مشاہدہ کرکے در حقیقت اس کے اپنے انجام کے بارے میں فکر وتدبر کی دعوت دی جارہی ہے۔ کہ اے انسان اپنے انجام پر غور کر جس طرح کل تیرے کھیت کی کھیتی، سرسبز وشاداب تھی، مگر آج وہ آندھی وطوفان کی وجہ سے چورہ چورہ ہوچکی ہے۔ اسی طرح تیرا وجود بھی جو آج مضبوط وتوانا نظر آتا ہے کل موت کے تھپیڑوں کی وجہ سے زمین پر بے حس وبے جان پڑا ہوگا، اور عالم برزخ کے مصائب کا طوفان اسے ریزہ ریزہ کردے گا، تیرا وجود اور تیری زندگی اس بگڑتے، بدلتے جہان ہی کی طرح ہے۔ کبھی عروج ہوگا کبھی زوال ہوگا، کبھی بچپن ہوگا کبھی لڑکپن ہوگا، کبھی جوانی ہوگی، کبھی بڑھاپا ہوگا، کبھی صحت ہوگی کبھی بیماری ہوگی، کبھی تخت ہوگا کبھی تختہ ہوگا۔ کبھی کرسی عدالت ہوگی، کبھی مجرم کا کٹہرا ہوگا۔ کبھی امیر ہوگا کبھی فقیر ہوگا، کبھی بنی گالہ ہوگا کبھی اڈیالہ ہوگا، کبھی جاتی عمرہ ہوگا کبھی اٹک قلعہ ہوگا، کبھی زرداری ہاؤس ہوگا، اور کبھی شاہی قلعہ ہوگا کبھی لندن کا بنگلہ ہوگا، کبھی دبئی کا فلیٹ ہوگا، کبھی دیس ہوگا کبھی پردیس ہوگا، کبھی قاضی ہوگا کبھی مجرم ہوگا، یہی دنیا میں تیری اوقات ہے، اس اوقات میں اگر سوچ سکتا ہے تو اپنا اخروی انجام سوچ، فکر وتدبر کرسکتا ہے تو اس بات پر کر کہ دائمی جنتی بننا چاہتا ہے یا دائمی جہنمی؟ تو

جنت کی راحتیں اور نعمتیں چاہتا ہے یا جہنم کے مصائب وعذاب؟ تو اللہ کی رضا چاہتا ہے یا مغرب کے اسلام دشمنوں کی خوشنودی؟ تو ایمان وضمیر کا سکون چاہتا ہے یا سوئس بینکوں کا بینک اکائونٹ۔

جناب چیف جسٹس! آپ نے جس انداز سے اس آیت کا حوالہ دیا ہے اس سے یہ تاثر سامنے آتا ہے کہ قرآن صرف فکر و تدبر کی کتاب ہے اور وہ فکر و تدبر بھی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نہیں بلکہ عقل و نیچر اور تفسیر بالرائے کے ذریعہ۔ حالانکہ اصولِ قرآنی کی روشنی میں قرآن کا شعوری مطالعہ کرنے والا، ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن بنیادی طور پر ایمان وعمل کی کتاب ہے، انسانی اصلاح وہدایت کی کتاب ہے۔ اس میں فکر و تدبر ثانوی درجہ کی حیثیت رکھتا ہے، پہلے انسان کے لئے ایمان وعمل اختیار کرنے اور اصلاح وہدایت کی منزل کی طرف صبر واستقلال کے ذریعہ سفر کرنا ضروری ہے اور اس کے بعد اس میں فکر و تدبر بھی کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کی بنیادی دعوت انسان کی فکری وعملی اصلاح ہے!

اگر ہم قرآنی تعلیمات پر سنجیدگی اور دیانت کے ساتھ غور کریں تو پورے قرآن کا مقصدِ نزول خداوند کائنات نے ایک چھوٹی سی سورت میں بیان کردیا ہے، خداوند کائنات کا ارشاد ہے:

﴿وَالْعَصْرِ (١) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾ [العصر: 1-2] عصر نبوت کی قسم ہر انسان خسارے میں ہے۔ اپنی بشری حیثیت میں ہر انسان خسارے میں ہے۔ خواہ وہ کالا ہو یا گورا، وہ امیر ہو یا فقیر، وہ آقا ہو یا غلام، وہ مرد ہو یا عورت، وہ حکمران ہو یا رعایا سب خسارے میں ہیں۔ سب نقصان میں ہیں۔:

﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ [العصر: 3]

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور عمل صالح کرلئے، یعنی وہ خدا پر، نبیوں پر، کتابوں پر، قیامت پر، تقدیر پر ایمان لے آئے اور کتابوں اور رسولوں کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ [العصر: 3]

ایمان وعمل صالح کے بعد وہ حق اور سچ کی تلقین کرتے ہیں اور صبر واستقامت کی ترغیب دیتے

ہیں، جن انسانوں کے اندر یہ چاروں اوصاف پائے جاتے ہیں وہ تو پورے کے پورے کامیاب ہیں، پورے کے پورے نفع اور فائدہ میں ہیں، ہر قسم کے دینی واخروی نقصان سے محفوظ ہیں۔

ان کے علاوہ باقی سب لوگ کسی نہ کسی درجہ کے خسارہ میں ہیں، کسی نہ کسی درجہ کے نقصان میں مبتلا ہیں، اس چھوٹی سی سورت میں خداوند کائنات نے قرآن مقدس کا بنیادی مقصد نزول بیان فرمادیا ہے کہ انسان اپنی بشری اور تخلیقی حیثیت سے خسارہ ہی خسارہ ہے اور اس خسارے سے نکلنے کے لئے اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے آسمانی تعلیمات پر ایمان اور نبویؐ تعلیمات کی اطاعت و پیروی۔ یعنی قرآن کا بنیادی مقصد نزول یہی ہے کہ خسارہ اور نقصان کی طرف جانے والے انسان کو فلاح و نجات کی طرف موڑنا۔ ایمان و عمل صالح کے بعد اگر انسان چاہے تو اس میں فکر و تدبر بھی کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے اندر اس فکر و تدبر کی صلاحیت بھی موجود ہو۔ کائنات کے اندر فکری و تدبر کی صلاحیت بھی بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ پوری دنیا کے اندر سائنسدانوں کی تعداد کتنی ہے؟ شاید آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ ہو، اور قرآن کے اندر فکر و تدبر کی صلاحیت بھی بہت کم لوگوں میں ہے۔ پوری اُمت مسلمہ کے اندر فقہاء و مجتہدین کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر ہوگی، جس طرح سائنسی تحقیقات کا حق ہر شخص کو حاصل نہیں، اسی طرح قرآن میں فکر و تدبر کا حق بھی ہر شخص کو حاصل نہیں کیونکہ قرآن کا بنیادی مقصد نزول اس میں فکر و تدبر نہیں بلکہ اس پر ایمان و عمل ہے۔ اس لئے کہ اس پر ایمان و عمل ہر انسان کے لئے واجب و ضروری ہے۔ مگر اس میں فکر و تدبر کی ہر انسان میں اہلیت موجود نہیں، یہی حقیقت میں جناب چیف جسٹس پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ خدارا ہر جج اور جسٹس کو قرآن میں فکر و تدبر کا حق نہ دیں۔ ہر پولیس انسپکٹر اور انکوائری افسر کو یہ حق نہ دیں، اس کے فکر و تدبر کا حق جن کے پاس ہے انہی کے پاس رہنے دیجیے، اسی میں ہم سب کی فلاح اور نجات ہے۔

قرآن میں فکر و تدبر کی بنیاد سنتِ رسول ﷺ ہے!

اور پھر ہمیں یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ جس طرح سائنسی اور کائناتی تحقیقات کی بنیاد عقل اور مشاہدہ پر ہے اسی طرح قرآن میں فکر و تدبر کی بنیاد سنتِ رسولؐ ہے۔ عقل، نیچر، تجربہ،

مشاہدہ قرآن میں فکر و تدبر کی بنیاد نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن نے صاف لفظوں میں یہ وضاحت کی ہے کہ قرآن فہمی کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ [النساء: 80]

جس نے رسولؐ کی یعنی سنت کی اطاعت کی، اس نے خدا کی یعنی قرآن کی اطاعت کی، خداوند کائنات نے قرآن کی اطاعت کو سنت کی اطاعت کے ساتھ جوڑا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سنت کے بغیر قرآن فہمی یا قرآن میں فکر و تدبر کا دعویٰ بھی باطل ہے اور اس کی کوشش بھی مذموم ہے، گویا اللہ رب العزت یہ واضح فرمارہے کہ قرآن میں فکر و تدبر کا حق صرف ان لوگوں کو حاصل ہے جن کے پاس سنت کا پورا علم بھی موجود ہے اور ان کے پاس پوری اور کامل عقل بھی موجود ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ عقل علم سے موخر ہے، علم عقل پر مقدم ہے یعنی عقل کے لئے پہلے علم چاہئے، علم ہوگا تو اس کے مطابق عقل استعمال کی جاسکے گی اور قرآن میں فکر و تدبر کے لئے سنت کا علم ضروری ہے، لیکن اس ساری وضاحت کے باوجود میرا یہ سوال اپنی جگہ بدستور موجود ہے کہ اس آیت دعوتِ تدبر کا اس مقدمہ اور فیصلہ سے آخر تعلق کیا ہے؟ اور اپنے فیصلے کے اندر اس آیت کا حوالہ دے کر جناب چیف جسٹس آخر مقصد کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اگر وہ اپنے ماتحت ججوں کو قرآن فہمی یا قرآن میں فکر و تدبر کی دعوت دے رہے ہیں تو صرف مذہبی مقدمات میں کیوں؟ کیا دوسرے مقدمات میں قرآن سے راہنمائی لینا ضروری نہیں؟ دوسرے مقدمات میں صرف قانون کو دیکھو اور مذہبی مقدمات میں صرف قانون کو نہیں قرآن کو بھی دیکھو؟ جناب چیف جسٹس جو جرم بھی شریعت اور اخلاق سے تعلق رکھتا ہے وہ مذہبی جرم ہی ہے، خواہ وہ چوری ہو، ڈاکہ ہو، قتل ہو، زنا ہو، کرپشن ہو، توہینِ دین ہو، توہینِ قرآن ہو، توہینِ رسالت ہو، توہینِ عدالت ہو سب مذہبی جرم ہیں، ان کے درمیان تفریق اور تقسیم پیدا کرکے کنفیوژن مت پیدا کیجیے جس جرم کی سزا قانون میں متعیّن ہے وہ آپ کے نزدیک مذہبی ہو یا غیر مذہبی وہ قانون کی نظر میں جرم ہے اور آپ قانون کے مطابق اس جرم کی سزا نافذ کرنے کے پابند ہیں۔

جناب چیف جسٹس کا آیت حفاظتِ قرآن سے غلط استدلال!

جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلہ کے اندر صرف آیتِ اکراہ فی الدین اور آیاتِ دعوت سے ہی استدلال نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے فیصلہ کے اندر آیت حفاظتِ قرآن سے بھی استدلال کیا ہے ،انہوں نے سورہ حجر کی آیت نمبر ۹ر کا حوالہ دیا ہے جس میں خداوند کائنات فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: 9]

ہم نے ہی اس قرآن کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے ،اور ہر مسلمان کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ یہ قرآن قیامت تک کے لئے غیر محرف اور ناقابل تغیر ہے اور ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ اس میں نہ کوئی ظالم تحریف لفظی کر سکتا ہے اور نہ کوئی جاہل تفسیر بالرائے کے ذریعہ تحریف معنوی کر سکتا ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ لیکن سوال یہاں بھی وہی پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کا مقدمہ اور فیصلہ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس آیت کا حوالہ دینے کا مقصد کہیں یہ تو نہیں کہ جناب چیف جسٹس قوم کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ قرآنی احکامات کی حفاظت کا ذمہ جب اللہ نے لے رکھا ہے تو پھر ہم کیوں اللہ کے معاملہ میں مداخلت کریں؟ وہ خود ہی قرآنی عقائد وافکار اور قرآنی شعائر دینیہ کی حفاظت کر لے گا۔ مسلمانوں کو ان کی حفاظت کے لئے کوئی سرگرمی دکھانے کی ضرورت نہیں، اسی لئے وہ اپنے فیصلہ کے اندر لکھتے ہیں کہ کسی شخص پر توہینِ قرآن یا توہینِ رسالت کا کیس کرنے کی بجائے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے کی بجائے اس آیت پر غور کرنا چاہیے۔

اس آیت پر غور کرنے سے تو بظاہر دو ہی نتیجے سامنے آسکتے ہیں، پہلا یہ کہ جب قرآنی احکام کی حفاظت اللہ کے ہاتھ میں ہے تو کوئی شخص ان احکام کی خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتا، لیکن ہمارا علم اور مشاہدہ کہتا ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کیونکہ احکاماتِ قرآنیہ کی خلاف ورزی ہمارے سامنے ہو رہی ہے اور ہم خود بھی کر رہے ہیں، نماز قرآن کا حکم ہے ، خلاف ورزی ہو رہی ہے، روزہ قرآن کا حکم ہے خلاف ورزی ہو رہی ہے، زکوٰۃ قرآن کا حکم ہے خلاف ورزی ہو رہی ہے، قتل ناحق سے قرآن نے روکا ہے، خلاف ورزی ہو رہی ہے، سود سے قرآن نے روکا ہے خلاف

ورزی ہورہی ہے ، ظلم سے قرآن نے روکا ہے خلاف ورزی ہورہی ہے، ایسے ہی وہ تمام جرائم ہورہے ہیں جن جرائم سے قرآن سے روکا ہے ، شرک ہورہا ہے، حق تلفی ہورہی ہے، قانون شکنی ہورہی ہے اس لئے اس آیت کا یہ مطلب اور مفہوم تو ہو نہیں سکتا، کہ کوئی قرآنی احکام کی خلاف ورزی کر نہیں سکتا، اس آیت پر غور سے دوسرا نتیجہ یہ سامنے آسکتا ہے کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ چونکہ اللہ نے لیا ہے اس لئے اس کے احکام کی حفاظت بھی اسی کے ذمہ ہے۔ ریاست اور عدالت اس سے بری الذمہ ہیں۔ اس لئے امت معاذ اللہ تعالیٰ توہینِ رسالت کا صرف تماشہ دیکھے، توہینِ قرآن کا صرف مشاہدہ اور نظارہ کرے اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرے اور اس معاملہ کو اللہ کے ہی سپرد کردے۔

ظاہری اسباب سے صرف نظر کرنا بھی قرآن کی خلاف ورزی ہے!

امت کو ناموسِ رسالت اور عظمتِ قرآن کے تحفظ کے لیے نہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کی اجازت ہے اور نہ قانونی راستے اختیار کرنے کی ضرورت ہے، لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ [النساء: 81] کا حکم دیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرو، لیکن اس کے ساتھ یہ حکم بھی دیا ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ [الأنفال: 60]

کفار کے خلاف اپنی ہمت واستطاعت کے مطابق جنگی تیاری بھی کرو۔

یعنی ظاہری اسباب پورے اختیار کرو اور پھر کامیابی کے لیے اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اب اگر کوئی احمق اور بے وقوف یہ دعویٰ کردے کہ پاکستان کو جدید جنگی ہتھیار تیار کرنے کیا ضرورت ہے؟ ایٹمی اور جوہری ہتھیار تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ قرآن کی اِس آیت پر غور کرے ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ [النساء: 81] تو ہر عقلمند مسلمان اس احمق کے اس دعویٰ کو مسترد کرے گا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اپنے احکام کو ظاہری اسباب کے ساتھ مقیّد کیا ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ رزق میں دیتا ہوں تو کیا انسان رزق حاصل کرنے کے ظاہری اسباب ترک کردے؟ اللہ کہتا ہے شفاء میں دیتا ہوں، تو کیا ریاست ہسپتالوں اور شفاخانوں کو بند کردے؟ اللہ کہتا ہے اولاد میں دیتا ہوں تو نکاح کے بعد خاوند

اٹلی میں اور بیوی پاکستان میں بیٹھ کر انتظار کرے کہ کب نومولود کی آمد ہوتی ہے ؟ یہ تصور ہی احمقانہ اور جاہلانہ ہے، اللہ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لی ہے تو اس کے لئے ظاہری اسباب بھی اس نے پیدا کئے ہیں، لاکھوں، کروڑوں حفاظ دنیا میں موجود ہیں تو یہ حفاظت قرآن کا ظاہری سبب ہے جس کے ذریعہ قرآنی الفاظ کی حفاظت ہو رہی ہے، کروڑوں عالم دین دنیا کے اندر موجود ہیں جو قرآنی علوم کی حفاظت کا ظاہری سبب ہیں۔ ہزاروں قاضی اور مفتی دنیا میں موجود ہیں جو قرآنی قوانین کی حفاظت کا ظاہری سبب ہیں۔

جناب چیف جسٹس! قرآن بحمد اللہ تعالیٰ محفوظ ہے۔ لیکن اگر کوئی بدنصیب حافظ قرآن میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا اپنا ایمان بگڑتا ہے، قرآن کا کچھ نہیں بگڑتا، اگر کوئی عالم دنیوی غرض اور مالی مفاد کے لئے قرآن کے مفہوم و مقصود کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا اپنا ایمان بگڑتا ہے، قرآن کے اجماعی و متواتر مفہوم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر کوئی بدبخت قاضی یا مفتی شہرت و دولت کے لئے قرآن کے قانون کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس بدبخت کا اپنا ایمان بگڑتا ہے قرآنی قانون کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ کے کام اللہ پر چھوڑ دیجیے۔ وہ اللہ اپنی قدرت اور حکمت کے مطابق کرنے جانتا ہے۔ آپ اپنا کام کیجیے جو آپ کے منصب کا تقاضا ہے اور جو آپ کی ڈیوٹی ہے۔ عدل کا قیام ظلم کا خاتمہ، امن کا قیام اور جرم کا خاتمہ۔

توہینِ عدالت کی سزا قاضی دے گا، ناموسِ رسالت کا تحفظ اللہ کے حوالہ!

جناب چیف جسٹس کے اس طرز استدلال پر غور کرنے کی ضرورت ہے ہمارے ہاں عام طور پر یہ طرز منکرین حدیث ماڈرن ازم کا حامی، روشن خیال مسلمان اور لبرل و سیکولر طبقے اختیار کرتے ہیں کہ مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ریاست سے مذہب کا کوئی واسطہ ہے۔ یہ تفریق وہ جاہل اور احمق لوگ کرتے ہیں جو اسلام کو صرف عبادات اور اخلاقیات تک محدود کر دیتے ہیں ان کے نزدیک سیاست، معیشت اور عدالت کے ساتھ اسلام کا کوئی تعلق نہیں، لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے وہ صرف عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں بلکہ

زندگی کے ہر شعبہ اور ریاست کے ہر طبقہ کے لئے اسلام کے اندر جامع و مکمل نظام موجود ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ ہماری ریاست ہمیں دو قسم کے قانون دیتی ہے۔ ایک وہ ہیں جن کا اثر کسی فرد، کسی گروہ یا کسی طبقہ پر پڑتا ہے، جیسے چوری، ڈکیتی، قتل، اغوا، بھتہ وصولی، کرپشن، توہین نفس، توہینِ منصب وغیرہ اور دوسرے وہ جرائم ہیں جن کا اثر پوری امت مسلمہ اور پوری ملت اسلامیہ پر پڑتا ہے، جیسے توہینِ قرآن، توہینِ دین، توہینِ رسالت، توہینِ شعائر اسلامیہ وغیرہ۔ ہم ان دونوں قسم کے جرائم میں تفریق نہیں کرتے کہ یہ جرائم مذہبی ہیں اور یہ جرائم ریاستی ہیں۔ کیونکہ ہمارا موقف اور نظریہ بالکل واضح ہے کہ جس جرم کو قرآن و سنت میں جرم قرار دیا گیا ہے وہ مذہبی جرم ہے اور اگر اس جرم کو ریاست نے جرم تسلیم کر کے اس کے لئے سزا مقرر کر دی ہے تو وہ مذہبی جرم ہونے کے ساتھ ساتھ اب ریاستی جرم بھی ہے۔ جیسے قتل ناحق، چوری، ڈکیتی، توہینِ عدالت، توہینِ رسالت وغیرہ تمام جرائم مذہبی بھی ہیں کیونکہ قرآن و سنت نے ان کو جرم قرار دیا ہے اور یہ جرائم ریاستی بھی ہیں کیونکہ ریاست نے ان کو جرم بھی تسلیم کیا ہے اور ان کی سزا بھی مقرر کی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کا سیکولر طبقہ یہ شرارت کرتا ہے بلکہ خباثت کرتا ہے کہ ریاست کا وہ قانون جس سے صرف ریاستی شہری یا ریاستی ادارے متاثر ہوتے ہیں وہ قانون ریاستی ہے اور ریاست کا وہ قانون جس سے پوری اُمتِ مسلمہ اور پوری ملتِ اسلامیہ متاثر ہوتے ہیں وہ مذہبی قانون ہے۔

جناب چیف جسٹس کا یہ فیصلہ اسی سوچ اور فکر کی عکاسی کرتا ہے کہ ریاستی جرائم قاضی اور قانون کے حوالہ اور مذہبی جرائم قرآن کے سپرد، اللہ کے حوالہ۔ یہ تقسیم کس نے کی ہے؟ یہ تفریق کس نے ڈالی ہے کہ ریاستی جرائم کی سزا قاضی دے گا اور مذہبی اللہ کے حوالہ؟ کیونکہ اس نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ پھر قرآن تو اعلانیہ طور پر چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا سناتا ہے۔ میرے ملک کے قانون میں چور کی یہ سزا نہیں ہے، کیا میرا چیف جسٹس چوری کے اس قانون کو قرآنی قانون میں بدلنے کی جسارت کرے گا؟ کبھی نہیں۔ قرآن تو زانی اور زانیہ کے لئے کوڑوں کی سزا کا اعلان کرتا ہے۔ مگر میری ریاست کے قانون میں زانی کی سزا کوڑے نہیں ہے۔ کیا میرا چیف جسٹس اس ریاستی سزا کو قرآنی سزا میں تبدیل کرنے کا حوصلہ کرے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ عالمی

استعماری قوتیں نہیں چاہتیں۔ جناب چیف جسٹس قرآن عدل کا حکم دیتا ہے جب قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ کے ہاتھ میں ہے تو عدل کی کرسی پر آپ کیوں بیٹھے ہیں؟ یہ شیطانی اور ابلیسی قوتوں کی تقسیم ہے۔ بندہ کے یہ جرائم اللہ کے حوالہ کیونکہ قرآن کی حفاظت اس کے ذمہ ہے اور بندہ کے یہ جرائم میرے حوالہ کیونکہ انصاف کی سب سے اونچی کرسی پر میں بیٹھا ہوں۔ توہینِ رسالت ہوگی تو اللہ کے حوالہ، توہینِ عدالت ہوگی تو سزا میں دوں گا۔ توہینِ قرآن ہو تو درگذر کرو، قانون کا راستہ اختیار نہ کرو۔ ایف آئی آر درج نہ کرائو۔ توہینِ عدالت ہوگی تو مقدمہ بھی بنے گا، ایف آئی آر کے بغیر عدالت بھی سجے گی، گرفتاری بھی ہوگی، سزا بھی ہوگی، ہوسکتا ہے اس توہینِ عدالت کے جرم میں وزیراعظم بھی اپنے منصب سے معزول ہوجائے۔ یہ آخر کون سا انصاف ہے کہ عدالت کی توہین ہو تو ریاست کا قانون، رسالت کی توہین ہو تو اللہ کا قرآن وہ بھی سنت کے ذریعہ نہیں تفسیر بالرائے کے ذریعہ، پھر ریاست کا قانون کیوں نہیں؟ یہ سراسر ظلم ہے، ناانصافی ہے، قرآن کے ساتھ بھی، قانون کے ساتھ بھی، ریاست کے ساتھ بھی اور عدالت کے ساتھ بھی اور ہم اس ظلم اور ناانصافی کو قبول نہیں کرسکتے۔ باقی ان شاء اللہ العزیز آئندہ جمعہ کو۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(تیسرا بیان)

قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہ وَکفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی !اَمَّابَعْدْ!اَعُوْذُبِاللّٰہِمِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَی أَھْلِھَا وَإِذَاحَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْکُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہِ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیعًا بَصِیرًا ﴾ [النساء: 58]

برادران اہل السنۃ والجماعۃ!

اپنے گذشتہ دو بیانات میں سپریم کورٹ کے ایک غلط اور خطرناک فیصلہ کے بارہ میں کچھ ضروری روشنی ڈال چکا ہوں اور آج بھی ان شاء اللہ العزیز اسی موضوع کو آگے چلائوں گا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس فیصلہ کی وجہ سے پورے ملک کے اندر ایک شدید قسم کا دکھ اور اضطراب پایا جاتا ہے اور ملک بھر میں احتجاج کا سلسلہ جاری ہے، مختلف مسالک اور مکاتب فکر کی طرف سے اس فیصلہ کے خلاف نظر ثانی کی درخواستیں جمع کرائی جارہی ہیں، کچھ درخواستیں اب تک جمع ہو چکی ہیں، اور کچھ درخواستیں جمع کرانے کی تیاری ہو رہی ہے، قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور دوسرے اکابر علماء اس فیصلہ پر اپنا شدید ردعمل دے چکے

ہیں اور یہ ردِ عمل دن بدن شدید ہوتا جارہا ہے، کیونکہ اس فیصلہ کی وجہ سے مسلمانان برصغیر کی تقریباً پون صدی کی جدوجہد پر پانی پھر جانے اور اس کے غارت ہونے کے خطرات منڈلا رہے ہیں، جو ہمیں بالکل گوارا نہیں ہے۔ اور نہ کوئی عاشق رسول ﷺ مسلمان گوارا کرسکتا ہے۔

گذشتہ بیانات کا خلاصہ!

گزشتہ بیانات میں میں عرض کرچکا ہوں کہ اس فیصلہ کے حوالہ سے جناب چیف جسٹس کا رویہ اخلاقی تقاضوں اور عدالتی ضابطوں کے سراسر خلاف تھا، کیونکہ سرکاری وکیل کو کیس کی تیاری کا موقع دینا ان کی اخلاقی ذمہ داری تھی۔ اور مدعی کے وکیل کو وضاحت کا موقع دینا ان کا منصبی فریضہ تھا، لیکن انہوں نے نہ اخلاقی ذمہ داری پوری کی اور نہ منصبی فریضہ ادا کیا جو بہرحال ایک نامناسب رویہ ہے۔ میں نہیں جانتا کہ قانون ان کو اس رویہ اور طرز کی اجازت دیتا ہے یا نہیں، لیکن میرے خیال میں کوئی ایمرجنسی ایسی موجود نہیں تھی کہ جس کی وجہ سے وہ فیصلہ فوری طور پر سنانا ضروری تھا، وہ دو چار دن کے لئے ڈلے کیا جاسکتا تھا۔ میں یہ بھی عرض کرچکا ہوں کہ اس فیصلہ کے اندر جناب چیف جسٹس نے جن قرآنی آیات کا حوالہ دیا ہے، ان آیات کا قطعی طور پر اس مقدمہ اور فیصلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور پھر ان آیات کے جس مفہوم کو مقدمہ اور فیصلہ کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی گی ہے وہ تفسیر بالرائے اور تحریف قرآن کے مترادف ہے، اس لئے یہ فیصلہ عدالتی رویہ کے اعتبار سے بھی، قرآنی استدلال کے اعتبار سے بھی اور بعض قانونی پہلوئوں کے اعتبار سے بھی سراسر نامناسب اور غیر منصفانہ فیصلہ ہے جس پر نظر ثانی کی فوری اور شدید ضرورت ہے۔

مذہبی آزادی کے آرٹیکل ۲۰ اور آرٹیکل ۲۲ کا غیر ضروری حوالہ!

قرآنی آیات کے غیر ضروری حوالوں کے بعد جناب چیف جسٹس نے ریاستی آئین کے بھی غیر ضروری حوالے دے ڈالے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان آئینی دفعات کا بھی مقدمہ اور فیصلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، جو ایک انتہائی افسوسناک عدالتی عمل ہے، جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلہ کے اندر مدعی کے خلاف اور قادیانی ملزم کے حق میں دستور پاکستان کے آرٹیکل ۲۰ اور آرٹیکل ۲۲ کا حوالہ دیا ہے، ان دونوں آئینی دفعات کا تعلق مذہبی آزادی سے ہے اور پاکستان کا کوئی مسلمان شہری

آئین اور قانون کے دائرے میں دی گئی کسی مذہبی آزادی کا مخالف نہیں ہے۔

آئین کے آرٹیکل ۲۰/ کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کے ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی۔ اسے اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق ہوگا، ہر مذہبی گروہ کو اپنے مذہبی ادارے بنانے کا حق ہوگا۔ انہیں برقرار رکھنے کا حق ہوگا اور ان کا نظام چلانے کا حق بھی ہوگا۔ اور آرٹیکل ۲۲/ کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف اس کے مذہب کے مخالف کسی دوسرے کے مذہبی ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ تمام مذہبی گروہوں کے مذہبی اداروں پر ٹیکس کے معاملہ میں کسی گروہ کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ کسی فرقہ کو اپنے مذہبی ادارہ میں اپنے طلبہ کو اپنی مذہبی تعلیم دینے سے روکا نہیں جائے گا۔ کسی فرقہ اور گروہ کے لوگوں پر ایسے کسی تعلیمی ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے کی پابندی نہیں ہوگی، جس تعلیمی ادارہ کے اخراجات ریاست کے سرکاری خزانہ سے ادا کئے جارہے ہوں۔ پاکستان کا آئین اس ملک کی اقلیتوں کو یہ مذہبی حقوق دیتا ہے اور پاکستان کا ہر شہری اقلیتوں کا یہ مذہبی حق تسلیم کرتا ہے، کسی مسلمان اور پاکستانی کو نہ اس سے انکار ہے اور نہ اس سے اختلاف ہے اور کوئی مسلمان اقلیتوں کے ان حقوق کی نفی کر بھی کیسے سکتا ہے جب کہ ان کو یہ مذہبی آزادی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ضمانت کے ساتھ دی ہے کہ قیامت تک کی ہر اسلامی ریاست کے اندر غیر مسلموں کے انسانی و مذہبی حقوق کا میں ضامن ہوں۔

فتح فلسطین کے بعد فاروقِ اعظمؓ کا عیسائیوں سے معاہدہ!

اور اس کی ایک بہت بڑی مثال بیت المقدس کی فتح کا معاہدہ ہے، جو عیسائیوں کے ساتھ ہوا، ۱۶/ ہجری میں سیدنا امام فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کو فتح کیا اور وہاں کے قابض عیسائیوں نے اپنے کچھ مطالبات اور شرائط امیر المومنین کے سامنے رکھیں، امام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی شرائط تسلیم کیں اور ان کے مطابق معاہدہ تیار ہوا۔ اس معاہدہ کے اندر لکھا گیا کہ سرزمین فلسطین کے اندر موجود تمام مذاہب کے لوگوں کے جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کو اسلامی ریاست پورا تحفظ دے گی۔ تمام مذاہب کے عبادت خانے اور ان کی مذہبی علامات صلیب وغیرہ محفوظ رہیں گی، عیسائیوں کے کسی گرجے کو کوئی مسلمان اپنے استعمال میں نہیں لائے گا۔ یعنی

ان کے جو گرجے ویران پڑے ہوں گے وہ بھی انہی کی ملکیت ہوں گے، کوئی مسلمان ان پر قبضہ نہیں کرے گا، کسی غیر مسلم کی جائیداد اور اس کے مال و اسباب غصب نہیں کئے جائیں گے، کوئی مسلمان ان پر قبضہ نہیں کرے گا، کسی غیر مسلم کو جبری طور پر مجبور کر کے اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں کیا جائے گا اگر فلسطین سے باہر کے غیر مسلم فلسطین میں رہنا چاہیں گے تو انہیں بھی جزیہ کے عوض یہ تمام حقوق حاصل ہوں گے اور اگر فلسطینی عیسائیوں میں سے کوئی عیسائی فیملی کسی دوسرے علاقہ میں جا کر آباد ہونا چاہے گی تو اسے بھی دوسری جگہ منتقل ہونے کی آزادی ہوگی۔ یعنی اس معاہدہ کے اندر غیر مسلموں کو پورے انسانی حقوق بھی فراہم کئے گئے اور ان کو پوری مذہبی آزادی بھی دی گئی، ان کے عبادت خانوں اور ان کے مذہبی نشانات کو بھی پورا تحفظ دیا گیا۔

یہودیوں کو ہم سے الگ رکھا جائے، عیسائیوں کا مطالبہ!

اس معاہدہ کے وقت یہ عجیب صورت حال پیدا ہوگئی جب عیسائیوں نے یہ مطالبہ کر دیا کہ یا امیر المومنین یہودی ایک خبیث اور شریر قوم ہے، ہم اس کی شرارتوں سے بہت تنگ ہیں، اس لئے اس شریر قوم کو ہماری بستیوں اور ہماری آبادیوں سے دور رکھا جائے، قرآنی تعلیمات بھی بتاتی ہیں کہ یہودی قوم ایک سرکش اور فسادی قوم ہے، سرکشی، فساد، شرارت اور خباثت ان کی فطرت کا حصہ ہے، اسی لئے دنیا کی ہر قوم ان سے نفرت کرتی ہے، لیکن چند یہودی سرمایہ داروں نے عالمی معیشت کے مرکزی اداروں پر اپنا قبضہ جما کے دنیا کی غریب اور ترقی پذیر ریاستوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اور دنیا کے طاقت ور مسیحی اور اشتراکی ممالک بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوگئے ہیں، ورنہ مسیحی پبلک اور عوام آج بھی یہودیوں سے نفرت کرتے ہیں، ایک تو اس لئے کہ وہ یہودیوں کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا قاتل سمجھتے ہیں، ان کے عقیدہ کے مطابق یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دیدی تھی جس سے وہ وفات پا گئے بعد میں اللہ رب العزت نے پھر انہیں دوبارہ زندہ کر کے آسمانوں پر اٹھا لیا۔ یہ عقیدہ غلط ہے، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہودی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دینے میں کامیاب نہیں ہوئے، بہر حال عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دیدی تھی، اس لئے وہ یہودیوں سے نفرت کرتے ہیں اور ان سے نفرت کی دوسری وجہ ان کی خبیث اور شاطرانہ فطرت

ہے جب ۱۹۷۴ء میں پاکستانی پارلیمنٹ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو اس وقت غیر ملکی صحافیوں نے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم سے سوال کیا کہ آپ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت کیوں قرار دیا؟ تو بھٹو مرحوم نے فرمایا اس لئے کہ قادیانی اپنی شرارتوں اور سازشوں کے ذریعہ پاکستان میں وہ حیثیت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو امریکہ کے اندر یہودیوں نے حاصل کرلی ہے یعنی جس طرح امریکہ کی معیشت اور سیاست پر یہودیوں کا قبضہ ہے، پاکستان کے اندر قادیانی بھی یہی پوزیشن حاصل کرنا چاہتے ہیں، مصور پاکستان ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم بھی قادیانی مذہب اور قادیانی فطرت کو یہودیت کا چربہ قرار دیتے تھے، بیت المقدس کے عیسائیوں نے اسی لئے امام فاروق اعظم سے مطالبہ کردیا کہ یہودی ہماری آبادیوں اور بستیوں کے قریب نہیں رہیں گے۔ امام فاروقِ اعظم نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کیا اور معاہدہ کے اندر تحریر فرمایا کہ کوئی یہودی، مسیحی بستیوں کے قریب آباد نہیں ہوگا۔

(تاریخ طبری: جلد: ۲، ۸۰۷، فتوح الشام: ۳۸۶/ تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۳۳۸)

معاہدہ کے ضامن اور گواہ!

اب امیر المومنین سیدنا امام فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فلسطینی عیسائیوں کے درمیان معاہدہ تو طے پا گیا اور تحریر بھی ہوگیا مگر اس معاہدہ کا ضامن کون ہوگا؟ سیدنا امام فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاہدہ کے آخر میں لکھوایا کہ اس معاہدہ کے ضامن خدا تعالیٰ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، مسلمانوں کے خلیفہ راشد اور امیر المومنین ہیں اور ریاست کے تمام مسلمان ہیں، یعنی یہ معاہدہ اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں ہوا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ اسلامی ریاست کے اندر غیر مسلموں کے انسانی اور مذہبی حقوق کا خیال رکھنا، جو غیر مسلم جزیہ دے کر مسلم ریاست کی شہریت اختیار کریں، ان کے انسانی اور مذہبی حقوق کا ضامن میں ہوں جب تک کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں، امیر المومنین خود بھی اس معاہدہ کے ضامن بنے اور ریاست کے مسلمانوں پر بھی اس معاہدہ کے ذریعہ اس کی پابندی لازمی کردی، معاہدہ لکھا گیا، ضامن لکھے گئے، اب گواہوں کی باری آئی کہ اس معاہدہ کے گواہ کون ہوں گے؟ ظاہر بات ہے اس کے لئے گواہ امیر المومنین نے ہی منتخب کرنے تھے جیسے معاہدہ

کے ضامن چار رہے تھے خدا تعالیٰ، حضور علیہ السلام، امیر المؤمنین اور ریاستی مسلمان۔ امام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے گواہ بھی چار منتخب کئے اور ان چاروں گواہوں کے اس معاہدہ پر دستخط کروائے۔ اس معاہدہ کے پہلے گواہ حضرت خالد بن ولید تھے، دوسرے گواہ حضرت عمرو بن العاص تھے، تیسرے گواہ حضرت عبدالرحمن بن عوف تھے اور چوتھے گواہ امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنھم اجمعین تھے۔ اس ایک معاہدہ سے اندازہ کر لیجیے کہ اسلام اپنی مسلم ریاست کے اندر غیر مسلموں کو کیسے انسانی اور مذہبی حقوق دیتا ہے۔

پاکستان کے اندر مذہبی حقوق کا حق دار کون ہے؟

سوال یہ نہیں ہے کہ پاکستان کے اندر اقلیتوں کے مذہبی حقوق ہیں یا نہیں؟ کیونکہ ان حقوق سے نہ تو کوئی مسلمان انکار کر سکتا ہے اور نہ کوئی پاکستانی، سوال یہ ہے کہ ان مذہبی حقوق کا حق دار کون ہے؟ ہر باشعور مسلمان یہ حقیقت جانتا ہے کہ دستورِ پاکستان کی ان آئینی دفعات کا اطلاق صرف ان اقلیتی گروہوں پر ہو سکتا ہے، جن اقلیتی گروہوں کا اپنا الگ مذہبی تشخص موجود ہے، جن کی اپنی الگ کوئی مستقل شناخت موجود ہے، جو اقلیتی گروہ ملک کے اندر اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کرتا ہے، جو اقلیتی گروہ کسی دوسرے مذہب کی مذہبی شناخت اور اس کے مذہبی شعائر پر ڈاکہ نہیں ڈالتا، جو اقلیتی گروہ ملک کے اکثریتی طبقہ کی برابری کا دعویدار نہیں۔

مسیحی اقلیت!

مثال کے طور پر جیسے پاکستان کے اندر مسیحی اقلیت موجود ہے، صدیوں سے اس کی الگ شناخت بھی معروف ہے، گرجوں اور کلیسائوں کے نام پر ان کے عبادت خانے موجود ہیں، ان عبادت خانوں کے اندر وہ آزادی سے اپنی عبادت بھی کرتے ہیں، بائبل یا کتاب مقدس کے نام پر ان کی مذہبی کتاب بھی موجود ہے، ان کی اپنی مستقل مذہبی تعلیمات بھی موجود ہیں، جن کی اشاعت وہ لٹریچر کے ذریعہ کرتے رہتے ہیں، ان کے اپنے مذہبی تعلیمی ادارے بھی موجود ہیں، ان کی مسیحی مشنریاں بھی ملک بھر میں کام کر رہی ہیں، ان کی اپنی مستقل تہذیب بھی موجود ہے، وہ اپنی کرسمس جیسی مذہبی رسومات بھی پوری آزادی سے ادا کرتے ہیں، وہ اپنی اقلیتی حیثیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں

اور اپنی اقلیتی حیثیت کے مطابق وہ اقلیتی نشستوں پر الیکشن بھی لڑتے ہیں، ووٹ بھی دیتے ہیں، اسمبلی کے اندر اپنی اقلیتی نشست بھی حاصل کرتے ہیں، کسی دوسرے مذہب کی شناخت پر ڈاکہ نہیں ڈالتے، اپنے آپ کو مسیحی ہی کہتے ہیں مسلمان نہیں کہتے، کیا کبھی کسی مسلمان نے مسیحیوں کے حقوق پر سوال اٹھایا؟ نہیں ان پر کبھی اعتراض کیا؟ نہیں، کیا حقوق اور قانون کے دائرہ میں کبھی ان کی مذہبی سرگرمیوں پر پابندی کا مطالبہ ہوا؟ نہیں کیوں؟ اس لئے کہ ان کے اندر تین چیزیں بڑی واضح ہیں۔

۱. ان کی مستقل الگ مذہبی شناخت موجود ہے۔
۲. وہ اپنی اقلیتی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں۔
۳. اور کسی دوسرے مذہب کی شناخت اور اس کے مذہبی شعائر پر ڈاکہ نہیں ڈالتے۔ اس لئے ان کی عبادات، ان کی رسومات، ان کے حقوق اور ان کی مذہبی سرگرمیوں پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا۔

ہندو دھرم!

اسی طرح پاکستان کے اندر ہندو دھرم کی بھی کثیر تعداد موجود ہے، ہندو کمیونٹی بھی پاکستان کے اندر اپنا ایک وجود رکھتی ہے۔ ان کی بھی صدیوں سے الگ شناخت موجود ہے، ان کا بھی الگ مذہبی تشخص موجود ہے۔ ویدوں اور شاستروں کے نام سے ان کی الگ مذہبی کتابیں موجود ہیں، وہ ہولی، دیوالی جیسی اپنی مذہبی و قومی رسومات پوری آزادی سے ادا کرتے ہیں۔ ان کے بھی اپنے الگ مذہبی تعلیمی ادارے موجود ہیں وہ بھی اپنی اقلیتی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں، اس حیثیت سے اقلیتی نشستوں پر الیکشن لڑتے ہیں، ووٹ ڈالتے ہیں، اپنی اقلیتی نشستیں حاصل کرتے ہیں، اس لئے ان کے حقوق، عبادات، رسومات اور ان کے عبادت خانوں پر بھی کبھی کسی نے سوال نہیں اٹھایا، اس لئے کہ وہ اپنی الگ اور مستقل شناخت رکھتے ہیں، اپنی اقلیتی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں، اور کسی دوسرے مذہب کی شناخت پر ڈاکہ نہیں ڈالتے، اس لئے آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۰ اور آرٹیکل ۲۲ کی روشنی میں ان کے آئینی حقوق پر بھی کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

سکھ مذہب!

ہمارے ملک میں ایک تیسری بڑی اقلیتی کمیونٹی سکھوں کی بھی موجود ہے ان کا بھی تقریباً ۴، ۳سو سال سے اپنا ایک الگ مذہبی تشخص موجود ہے، وہ بھی ایک الگ مستقل شناخت رکھتے ہیں، گوردواروں کے نام پر ان کے بھی الگ عبادت خانے موجود ہیں، گرنتھ کے نام سے ان کی الگ مستقل مذہبی کتاب موجود ہے۔ ان کے بھی اپنے تعلیمی ادارے موجود ہیں، ان تعلیمی اداروں کے اندر وہ اپنی مذہبی تعلیم پوری آزادی سے دیتے ہیں، وہ بھی اپنی مذہبی رسومات پوری آزادی سے ادا کرتے ہیں بلکہ ان کے تو مذہبی مراکز ہی پاکستان میں موجود ہیں، ننکانہ صاحب، حسن ابدال اور اب تو ان کے لئے کرتار پور راہداری بھی کھول دی گئی ہے جہاں مشرقی پنجاب کے سکھ بارڈر کراس کر کے بغیر ویزہ اور پاسپورٹ کے آجاسکتے ہیں، پاکستان سے باہر کے سکھ یاتری دنیا بھر سے پاکستان آتے ہیں، وہ پاکستان کے اندر اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کرتے ہیں، اس حیثیت سے اقلیتی نشستوں پر الیکشن لڑتے ہیں اور پارلیمنٹ کے اندر ان کی اقلیتی نشست موجود ہے، لیکن ان کے حقوق پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا، اس لئے کہ وہ اپنی ایک مستقل شناخت رکھتے ہیں، اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کرتے ہیں اور کسی دوسرے مذہب کی شناخت پر ڈاکہ نہیں ڈالتے۔

قادیانی اقلیت دوسری اقلیتوں سے قطعی مختلف ہے!

لیکن قادیانی اقلیت پاکستان کی باقی اقلیتوں سے بالکل مختلف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ گروہ گذشتہ ۵۰ سال سے پاکستان کے اندر آئینی اور قانونی طور پر اُمتِ مسلمہ سے کٹ چکا ہے، شرعی طور پر تو یہ گروہ اسی دن ہی اُمتِ مسلمہ سے کٹ گیا تھا جب مرزا غلام احمد قادیانی نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا اور قادیانیوں نے اسے نبی، مہدی یا مسیح موعود مان لیا۔ جو شخص بھی اس کی امت میں داخل ہوتا گیا، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت سے نکلتا گیا۔ لیکن قانونی طور پر امت مسلمہ نے ۵۰ سال قبل ۱۹۷۴ء میں پارلیمنٹ کے متفقہ فیصلہ کے ذریعے ان کو اپنے سے الگ کر دیا۔ امت مسلمہ انہیں اپنے سے الگ کر چکی ہے۔ اب پاکستان کے اندر انہیں قانونی طور پر بھی مسلمان کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے قانونی طور پر ضروری ہے کہ اگر وہ پاکستان میں پاکستانی شہریت کے ساتھ رہنا چاہتے

ہیں تو اپنی الگ شناخت بنائیں، مسیحی اقلیت کی طرح اپنا الگ مذہبی تشخص قائم کریں، سکھوں کی طرح اپنا الگ مذہبی لٹریچر تیار کریں، ہندوؤں کی طرح اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کریں، لیکن گزشتہ ۵۰ سالوں سے نہ تو قادیانی گروہ اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے نہ اپنی الگ مذہبی شناخت دینے کے لئے تیار ہے۔ نہ الگ مذہبی کتاب متعیّن کرنے کے لئے تیار ہے، نہ اپنی عبادت مسلمانوں سے الگ کرنے کے لئے تیار ہے، نہ اپنے عبادت خانوں کا نام تبدیل کرنے کے لئے تیار ہے، نہ اقلیتی نشستوں پر الیکشن لڑنے کے لئے تیار ہے۔ وہ آج بھی بڑی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ پاکستانی آئین کی دھجیاں بکھیر رہا ہے، ۵۰ سال گزرنے کے بعد بھی وہ قادیانی گروہ پارلیمانی اور ریاستی فیصلوں کو تسلیم نہیں کر رہا، وہ آج بھی پاکستان کے اس اکثریتی اور مملکتی مذہب پر ڈکہ ڈال کر اسی مذہب کو اپنی مذہبی شناخت بنانا چاہتا ہے جس مذہب سے آئین نے اس کو پارلیمنٹ کے ذریعہ خارج کیا تھا، وہ اپنے آپ کو آج بھی غیر قانونی طور پر مسلمان ظاہر کر کے معاشرہ میں مسلمان کی حیثیت سے رہنا چاہتا ہے لیکن مسلمان یہ کسی صورت بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ اپنی مذہبی شناخت کسی جھوٹے اور مکار مذہبی گروہ کو نہیں دے سکتے، جب عیسائی مسلمانوں سے الگ اپنی مذہبی شناخت کے ساتھ رہ رہے ہیں، ہندو اپنی الگ مذہبی شناخت کے ساتھ رہ رہے ہیں، سکھ مسلمانوں سے الگ اپنی مذہبی شناخت کے ساتھ رہ رہے ہیں تو قادیانی میری شناخت سے کیوں جینا چاہتے ہیں؟ وہ اپنے جھوٹے مذہب کے لئے میری شناخت کیوں چاہتے ہیں؟ وہ ملعون لوگ نبوت مرزا قادیانی کی چاہتے ہیں اور شناخت ہماری چاہتے ہیں، مذہب اپنا چاہتے ہیں، قرآن ہمارا چاہتے ہیں اور ہم یہ کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتے، قادیانیوں کو یہ حق نہ شریعت دیتی ہے، نہ قانون دیتا ہے اور نہ مسلمان انہیں یہ حق دینے کے لیے تیار ہیں۔

قادیانیوں کے لئے دو قانون بنانے کی ضرورت کیوں پڑی؟

قانونی حوالہ سے ایک بات بہت ہی قابل توجہ ہے۔ ہمارے ملک کے اندر ہر اقلیت کے بارہ میں ایک ہی قانون موجود ہے کہ وہ غیر مسلم اقلیت ہے۔ لیکن قادیانیوں کے بارہ میں ہمارے ملک کے اندر دو قانون ہیں۔

پہلے قانون کے مطابق قادیانی گروہ دستور پاکستان کے آرٹیکل ۲۶۰ء کے تحت کافر اور غیر مسلم ہیں۔ مسلمانوں سے الگ ایک گروہ ہیں، جس کا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جیسے یہودی عیسائی، ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ مذاہب کے لوگ ہیں جو غیر مسلم اور کافر ہیں، ان کا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اور دوسرے قانون کے مطابق تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/سی کے تحت اس قادیانی گروہ کے لوگ خواہ وہ مرزا قادیانی کو نبی ماننے والے ہوں، یا اسے مجدد تسلیم کرتے ہوں، یا اسے مسیح موعود قرار دیتے ہوں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کرسکتے اور نہ اپنے قادیانی مذہب کی تبلیغ واشاعت کرسکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ پاکستان کے اندر یہ دوسرا قانون پاکستان کی دوسری اقلیتوں کے لئے کیوں نہیں ہے؟ یہ قانون سکھوں کے لئے بھی نہیں ہے، یہ قانون ہندوئوں کے لئے بھی نہیں ہے، یہ قانون عیسائیوں کے لئے نہیں ہے، یہ قانون پارسیوں کے لیے بھی نہیں ہے، یہ قانون پاکستان کے اندر موجود باقی اقلیتوں کے لئے بھی نہیں ہے، یہ صرف قادیانیوں کے لئے ہی کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے ان میں کوئی اقلیت اپنے لئے مسلمانوں کی شناخت اختیار نہیں کرتی، مسلمانوں کی کتاب کو اپنے مذہب کی اشاعت کا ذریعہ نہیں بناتی، ان میں سے کوئی اقلیت اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے مسلمانوں کی تعلیمات کا سہارا نہیں لیتی، ان میں سے ہر اقلیت اپنی الگ مذہبی شناخت، اپنی الگ مذہبی تعلیم اور اپنی الگ مذہبی تہذیب کے ذریعہ اپنے مذہب کی دعوت دیتی ہے۔ ان میں سے کوئی اقلیت اپنا تعارف اسلام اور مسلمان کے حوالہ سے نہیں کراتی، لہذا ان کے لئے دوسرے قانون کی ضرورت نہیں تھی، جب کہ قادیانی گروہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، مسلمانوں کی مذہبی شناخت اختیار کرتا ہے، مسلمانوں کے لئے شعائر دینی اپناتا ہے، مسلمانوں کے قرآن کو اپنے جھوٹے مذہب اور اپنی جھوٹی نبوت کی تبلیغ واشاعت کا ذریعہ بناتا ہے، اپنی آئینی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا، اس لئے ریاست کو ان کی سرکشی کا راستہ روکنے کے لئے یہ دوسرا قانون بھی بنانا پڑا، تاکہ وہ مسلمانوں کی شناخت بھی نہ چرا سکیں، اور مسلمانوں کی کتاب کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال بھی نہ کرسکیں۔

مذہبی حقوق کی آڑ میں قادیانی مذہب کا دفاع غیر منصفانہ عمل ہے!

جناب چیف جسٹس سے پوری قوم کو یہ شکایت ہے کہ ان کے پاس یہ مقدمہ ایک قادیانی ملزم کے خلاف تھا، کسی عام اقلیتی ملزم کے خلاف نہیں تھا، آپ نے اپنے فیصلہ کے اندر اقلیتی گروہوں کے مذہبی حقوق کے حوالہ سے دستور پاکستان کے آرٹیکل ۲۰ اور آرٹیکل ۲۲ کا تذکرہ تو کردیا، جن آئینی دفعات کا نہ قادیانیوں سے کوئی تعلق ہے اور نہ اس مقدمہ اور فیصلے سے، لیکن قادیانیوں کے بارہ میں اور ان کے مذہبی حقوق کے بارہ میں ریاست کا جو الگ مستقل قانون موجود ہے اس کا حوالہ دینا گوارا نہیں کیا، عدلیہ اچھی طرح جانتی ہے کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/سی کے اندر قادیانیوں کی مذہبی آزادی سے متعلق یہ مستقل قانون موجود ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان شو نہیں کرسکتے، نہ بالواسطہ اور نہ بلاواسطہ، نہ ڈائریکٹ اور نہ اِن دائریکٹ، اور نہ ہی وہ اپنے قادیانی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرسکتے ہیں، ریاست کا ان کے بارہ میں جب مستقل اور واضح قانون موجود ہے، جس کا خاص اس مقدمہ سے تعلق ہے، اس واضح اور غیر مبہم قانون کے اندر قادیانیوں کی مذہبی آزادی کے حوالہ سے الگ قانون موجود ہے، تو پھر ان آئینی دفعات کا حوالہ دینا سراسر ناانصافی ہے جس سے قادیانی اپنی روایتی قانون شکنی کے لئے بہانہ اور سہارا بناسکتے ہیں۔

قادیانیوں کو ریاستی قومی دھارے میں لانے کی ضرورت ہے!

اس لئے میں جناب چیف جسٹس اور عدالت عظمیٰ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے منصبی اختیارات اور اپنی قانونی صلاحیتوں کو قادیانیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے استعمال کرنے کی بجائے اور ان کو قانون شکنی کے چور راستے دکھانے کی بجائے اگر ان کو ریاست کے قومی دھارے اور ملک کے قانونی دائرے میں لانے کے لئے استعمال کریں تو یہ خود قادیانیوں کے لئے بھی مفید ہوگا اور قوم و ملک کے لئے بھی بہتر ہوگا۔ کیونکہ یہ تو ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ریاست پارلیمانی اتفاق رائے سے قادیانیوں کو کافر و غیر مسلم بھی قرار دے چکی ہے اور اقلیت بھی، ان کی مذہبی تبلیغ پر بھی پابندی عائد کرچکی ہے، کیونکہ وہ اپنی مذہبی تبلیغ کے لئے قرآن و سنت اور اسلامی تعلیمات کا سہارا لیتے ہیں، اس لئے اب ان کے لئے اپنے آپ کو مسلمان کہلانے اور اپنے مذہب کے لئے اسلامی

تعلیمات استعمال کرنے کا دروازہ تو بند ہو چکا ہے، اسے کھولنے یا توڑنے کی کوشش کرنا فضول اور بے کار ہے، اب ضرورت ہے کہ قادیانیوں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی کا راستہ ترک کر کے حقیقت پسندی کی راہ اپنائیں اور اس کے لئے ان کے پاس دو ہی راستے ہیں یا تو وہ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت سے توبہ کر کے اسلام کی طرف واپس آجائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی اور خاتم النبیین تسلیم کر کے مرزا غلام احمد قادیانی سمیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہر مدعی نبوت کو کافر اور کاذب مان لیں اور یا ریاست کے آئین و قانون کو تسلیم کر کے اپنی اقلیتی حیثیت کا اعتراف کر لیں، یعنی ان کے پاس ایک شرعی راستہ ہے توبہ کر کے واپسی کا، اور دوسرا قانونی راستہ ہے اپنی قانونی حیثیت تسلیم کرنے کا، تیسرا کوئی آپشن ان کے پاس نہیں ہے، اپنی موجودہ پوزیشن کی روشنی میں وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنا اور مسلمان ظاہر کرنا بند کریں۔ اسلام سے الگ اپنی مذہبی تعلیمات متعیّن کریں، اسلامی تعلیمات کو اپنے جھوٹے مذہب کی اشاعت و تبلیغ کا ذریعہ بنانے سے گریز کریں۔ اسلامی شعائر کا اختیار کرنا بند کریں، قرآن پاک اُمت مسلمہ کی کتاب ہے، ان لوگوں کی کتاب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ قادیانی گروہ اس قرآن کو اپنے مذموم اور ملعون عقیدہ اور اپنے منحوس مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے باز رہیں، ریاستی آئین اور ملکی قانون کو تسلیم کریں۔ آئین و قانون کا احترام کریں اور اُن کی پابندی کریں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ پھر پاکستان کی دوسری اقلیتوں کی طرح قادیانیوں کے مذہبی حقوق سے بھی کوئی انکار نہیں کرے گا۔ ان کی مذہبی آزادی کو بھی ہر پاکستانی تسلیم کرے گا، ان کے لئے بھی دوسری اقلیتوں کی طرح اظہار رائے کی آزادی ہوگی، ان سے بھی دوسری اقلیتوں کی طرح مسلمانوں کی کوئی جنگ نہیں ہوگی، عیسائی قانونی اور آئینی حدود میں کام کر رہے ہیں، مسلمانوں کی ان سے کوئی جنگ نہیں ہے۔ ہندو اور سکھ آئین و قانون کی حدود میں اپنا کام کر رہے ہیں، مسلمانوں کی ان سے کوئی جنگ نہیں ہے ہاں جہاں وہ قانون اور آئین کا دائرہ کراس کرتے ہیں وہاں مسلمان ضرور قانون کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔

قادیانیوں کی قانون شکنی ناقابل قبول ہے!

قادیانی بھی اگر آئین و قانون کے دائرہ میں آجائیں تو ان کے ساتھ بھی ہماری آئینی و قانونی جنگ ختم ہوجائے گی، لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ قادیانی اپنی الگ مذہبی شناخت بھی نہ بنائیں، اپنے جھوٹے مذہب کے لئے مسلمانوں کی مذہبی شناخت بھی استعمال کرتے رہیں۔ اپنی اقلیتی حیثیت بھی تسلیم نہ کریں، آئین اور قانون کی پابندی بھی نہ کریں اور ان کی مذہبی آزادی کو بھی تسلیم کرلیا جائے۔ یہ اسلام کے ساتھ بھی مذاق ہے اور پاکستان کے مملکتی مذہب کے خلاف بھی صریح بغاوت ہے۔ ریاست کے ساتھ بھی ظلم ہے اور ریاست کے اکثریتی مذہب کے ساتھ بھی کھلی ناانصافی ہے، آئین اور قانون کے ساتھ بھی کھلواڑ ہے اور انصاف و دیانت کا خون کرنے کے بھی مترادف ہے۔ پاکستان کے غیور مسلمان کبھی بھی اس کھلواڑ کی اجازت نہیں دے سکتے اور قانون سے یہ کھلواڑ اس وقت اور زیادہ اذیت ناک ہوجاتا ہے جب یہ ظلم اور کھلواڑ ریاست کے سب سے اونچے عدالتی منصب پر ہورہا ہو۔ جناب چیف جسٹس آپ کا ملک اور قوم پر یہ بہت بڑا احسان ہوگا اگر آپ آئین اور قانون کی غیر ذمہ دارانہ تعبیر و تشریح کرنے کی بجائے آئین اور قانون کے واضح اور غیر مبہم احکام پر عمل کرتے ہوئے قادیانیوں کو ریاست کے قومی دھارے میں لانے کی کوشش کریں۔ اُمتِ مسلمہ اور ملتِ اسلامیہ کے قومی دھارے سے وہ خود بھی نکل چکے ہیں اور ریاست بھی انہیں اس دھارے سے نکال چکی ہے۔ اب انہیں ریاست کے قومی دھارے میں لانے کی ضرورت ہے اور یہ کام عدالتِ عظمیٰ ہی کرسکتی ہے، یہ کام آپ ہی کرسکتے ہیں کہ دوسری اقلیتوں عیسائیوں، ہندوئوں اور سکھوں کی طرح قادیانیوں کو بھی قومی دھارے اور قانونی دائرے میں لائیں۔ یہ آپ کا منصبی فریضہ بھی ہے، آپ کی قومی و ملکی ذمہ داری بھی ہے اور ملک و قوم کے ساتھ ساتھ قادیانیوں پر بھی آپ کا یہ احسان ہوگا۔ آخر کب تک وہ ریاست کے قومی دھارے سے کٹ کر غیر قانونی اور غیر آئینی زندگی گزارتے رہیں گے۔

قادیانیوں کی مذہبی آزادی کے نقصانات!

اور پھر جناب چیف جسٹس آپ نے اپنے فیصلہ کے اندر مقدمہ کے اس پہلو کو بھی نظر انداز

کر دیا ہے کہ یہ مقدمہ محرف و مبدل قرآن کی تقسیم اور اشاعت کا ہے جو قانوناً جرم ہے اور اس جرم کا ملزم قادیانی ہے، اس مقدمہ کے فیصلہ میں آپ مذہبی آزادی کی آئینی دفعات کا جو حوالہ دے رہے ہیں اور ان دفعات کے حوالہ سے قادیانی ملزم کو ضمانت پر رہا کر رہے ہیں، اس سے واضح طور پر یہ اشارہ اور تاثر مل رہا ہے کہ قرآن پاک میں تحریف بھی معاذ اللہ تعالیٰ مذہبی حق ہے اور تحریف شدہ قرآن کی تقسیم و اشاعت بھی مذہبی آزادی میں شامل ہے، حالانکہ یہ تصور و نظریہ اسلام، پاکستان اور اُمتِ مسلمہ پر صریح ظلم کے مترادف ہے، ہم قادیانیوں کی مذہبی آزادی سے نہ انکاری ہیں اور نہ اس کے مخالف ہیں، پاکستان کی دوسری اقلیتوں کی طرح ہم مذہبی آزادی کو ان کا بھی آئینی اور قانونی حق تسلیم کرتے ہیں، لیکن مذہبی آزادی کے نام پر ہم ان کو مسلمانوں کا مذہب، مسلمانوں کی مذہبی شناخت اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و شعائر اختیار کرنے کا حق ہرگز نہیں دے سکتے۔ مذہبی آزادی کے نام پر ہم انہیں قرآن پاک میں تحریف کرنے اور اس تحریف شدہ قرآن کو شائع و تقسیم کرنے کا حق قطعی طور پر نہیں دے سکتے۔ مذہبی آزادی کے لئے وہ عیسائیوں، ہندوؤں اور سکھوں کی طرح پہلے اپنی الگ مذہبی شناخت بنائیں۔ اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ ایک قوم تسلیم کریں۔ پھر آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کریں۔ پھر بے شک اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔ اپنے مذہبی ادارے بنائیں، پھر بے شک اپنے اداروں میں اپنے لوگوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دیں۔ لیکن جب تک وہ اپنے مذہب پر اسلام اور مسلمان کا لیبل استعمال کریں گے۔ اپنے جھوٹے نبی، جھوٹی نبوت اور جھوٹے مذہب کے لئے قرآن اور اسلامی تعلیمات کا سہارا لیتے رہیں گے، تب تک نہ قانون ان کا کوئی مذہبی حق تسلیم کرتا ہے اور نہ مسلمان ان کے کسی مذہبی حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

مسلمانوں کے بارہ میں قادیانیوں کا مذہب کیا ہے؟

اور کیوں مانیں؟ جب وہ مسلمانوں کو مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں، وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت اور جھوٹی مہدویت و مسیحیت پر ایمان رکھنے والے صرف چند لاکھ قادیانیوں کو مسلمان تسلیم کرتے ہیں، اور باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنے والی ۱۴سو سالہ امت مسلمہ اور موجودہ عالم اسلام کے تقریباً پونے ۲ارب مسلمانوں کو صرف کافر ہی قرار

نہیں دیتے بلکہ انہیں غلیظ، بے ہودہ اور گندی گالیوں سے نوازتے ہیں، یعنی جس مقام کے وہ خود مستحق ہیں وہ مسلمانوں کو دیتے ہیں اور جو مقام مسلمانوں کا حق ہے اس پر خود بیٹھنا چاہتے ہیں۔ میرا جناب چیف جسٹس سے ایک چھوٹا سا سیدھا سادا سوال ہے کہ اگر ان کی عدالت کا کوئی ملزم، ان کی عدالت میں یہ دعویٰ کردے کہ تم کون ہوتے ہو مجھے مجرم کہنے اور سزا دینے والے، چیف جسٹس تو میں ہوں، عدالتِ عظمیٰ کا سربراہ میں ہوں، مجرم تم ہو میں نہیں مجھے سوفی صد یقین ہے کہ جناب چیف جسٹس یا تو اس شخص کا دماغی معائنہ کرائیں گے اور اگر فاتر العقل ثابت ہو جائے تو اسے پاگل خانے بھیجیں گے اور یا توہینِ عدالت کا مجرم قرار دے کر اسے توہینِ عدالت کی سزا دینے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہیں کریں گے۔ اگر چیف جسٹس یا کوئی جسٹس اپنی عدالت کے اندر یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ ایک مجرم اپنے آپ کو چیف یا جسٹس قرار دے کر حقیقی اور اصلی جسٹس کو مجرم قرار دیدے، تو پھر ہم کیسے گوارا کرلیں کہ اپنی مملکت کے اندر اپنی ریاست کے اندر ریاست کے مملکتی مذہب کو کفر قرار دے کر اپنے آپ کو مسلمان قرار دینے والے قادیانی ملحد و زندیق کو مسلمان کہلانے کا حق دیدیں؟ جناب چیف جسٹس یہاں بات قادیانیوں کے مذہبی حق کی نہیں پوری اُمتِ مسلمہ کے مذہبی حق کی ہے، ریاست کے مملکتی مذہب کے حق کی ہے، ریاست کے مملکتی مذہب پر چلنے والے ۲۴ کروڑ مسلمانوں کے حق کی ہے، پہلے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ مسلمان کون ہے؟ ریاست کے مملکتی مذہب کے ساتھ وابستہ کون ہے؟ وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہے؟ یا وہ جو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے؟ یہ عجب تماشہ ہے کہ سچا اگر جھوٹے کو جھوٹا کہے تو عدالت کہتی ہے تم اسے اظہار رائے کی آزادی سے محروم کر رہے ہو جھوٹ بولنا اس کی اس کا اظہار رائے کی آزادی کا حق ہے اور جھوٹا اگر سچے کو جھوٹا کہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ اس کا مذہبی حق ہے۔ یہ ناقابل فہم فلسفہ ہے کہ چور، ڈاکو اور لٹیرے کو یہ ڈگری دی جارہی ہے کہ چوری اور ڈکیتی کا لوٹا ہوا مال سرعام بازار میں بیچنا تیرا انسانی حق ہے اور جس کا مال لوٹا گیا ہے، چوری کیا گیا ہے، اسے عدالتی زبان میں یہ دھمکی دی جارہی ہے کہ چور کو چور اور ڈاکو کو ڈاکو کہنا اکراہ فی الدین ہے، جعلی اور نقلی پاسپورٹ والے کو شہریت دی جارہی ہے اور ریاست کے پیدائشی شہری کو دیش دروہی اور آتنک وادی قرار دیا جارہا ہے۔ جناب

چیف جسٹس ڈریئے اُس دن سے جس دِن کائنات کی سب سے بڑی اور سب سے عظیم عدالت قائم ہوگی، جب اس پوری کائنات کا خالق و مالک اس عدالت کا قاضی ہوگا، جب صرف سپریم پاور کی حاکمیت ہوگی، جب صرف قانون اور عدل کی حکمرانی ہوگی، جب قہر آلود صدا گونجے گی

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ [غافر: 16]

بتاؤ آج کے دن حکمران و بادشاہ کون ہے؟

آج کے دن قاضی و جسٹس کون ہے؟ تمام مخلوقات کا جواب ہوگا

﴿لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [غافر: 16]

آج کے دن کا حکمران و قاضی وہی خداوند کائنات کے لئے ہے جس کے نام سے فرعونیت اور نمرودیت بھی کانپ رہی ہے جس کے نام سے دنیا کا ہر حکمران و قاضی تھر تھرا رہا ہے جس کی عدالت میں تمام حکمران و قاضی کٹہرے کے اندر کھڑے کپکپا رہے ہیں، جناب چیف جسٹس اس دن بھی عدالت لگے گی، جہاں ہر ظلم اور ناانصافی کا حساب ہوگا جہاں کسی عالمی یا قومی اسٹیبلشمنٹ کا دبائو نہیں ہوگا اوو ہ عدالت قائم ہو کر رہے گی۔

قادیانی مذہب میں غیر قادیانی حرامئ النسل اور ولد الحرام ہیں!

اور پھر جناب چیف جسٹس جس طبقہ اور گروہ کو آپ مذہبی آزادی کا حق دے رہے ہیں پہلے اس گروہ کے مذہب کا مطالعہ کر لیجیے کہ ان کا مذہب ہے کیا؟ اگر ان کا مذہب صرف مرزا قادیانی کی نبوت تک محدود ہوتا تو بھی مجبوری کے کسی نہ کسی درجہ میں شاید ان کو مذہبی آزادی دینے کی کوئی گنجائش نکل آتی، لیکن ان کا مذہب اور عقیدہ تو یہ ہے کہ جو لوگ مرزا قادیانی کذاب کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی عورتیں کتیاں ہیں، ان کے مرد جنگلوں کے سور ہیں، وہ حرامی النسل ہیں وہ ولد الحرام ہیں، وہ بازاری عورتوں کی اولاد ہیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ اس ذلیل مذہب میں وہ کون سی گالی ہے جو مسلمانوں کو نہیں دی گئی، اور پھر یہ گالیاں بکنے والا، یہ بکواس کرنے والا کوئی عام قادیانی نہیں، بلکہ خود مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس نے اپنی بہت سی کتابوں کے اندر مسلمانوں کو یہ گالیاں دی ہیں، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ تعالیٰ

جیسے علماء کے نام لے کر ان کو گالیاں دیں، اور یہی تمام قادیانیوں کا مذہب اور عقیدہ ہے۔ جناب چیف جسٹس میں پورے یقین واعتماد کے ساتھ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ آپ بھی قادیانی نہیں ہیں۔

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی کافر و کاذب مانتے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے غور فرمائیے اور توجہ دیجیے کہ جس مذہب کو آپ آئین کے آرٹیکل ۲۰ اور آرٹیکل ۲۲ کے تحت مذہبی آزادی دینا چاہتے ہیں اس مذہب کی اخلاقی حیثیت کیا ہے؟ قادیانیوں کی یہ مذہبی آزادی ہمیں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے، کیا ہمارا معاشرہ اور ہمارا سماج اس مذہبی آزادی کا بوجھ اٹھا سکے گا؟ اس بوجھ کا متحمل ہو سکتا ہے؟ میں امید رکھتا ہوں جناب چیف جسٹس آپ اس مذہب کو مذہبی آزادی دینا پسند نہیں کریں گے جس مذہبی آزادی کا صلہ صرف آپ کو نہیں بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ اور پوری پاکستانی قوم کو غلیظ اور بے ہودہ گالیوں کی صورت میں ملے۔ یہ وہ گالیاں ہیں جو ۱۹۷۴ء کی پارلیمنٹ میں زیرِ بحث آچکی ہیں جن کا اعتراف قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد پارلیمنٹ میں کر چکے ہے اور جن گالیوں کو سن کر جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم جیسے سیکولر لیڈر بھی چونک اٹھے تھے۔ اس لئے جناب چیف جسٹس قادیانیوں کے لئے مذہبی آزادی کا دروازہ ذرا سوچ کر کھولئے، ورنہ اس کا خمیازہ بڑی تلخ صورت میں قوم کو بھگتنا پڑے گا۔

چیف جسٹس کا قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کو نظر انداز کرنا!

چیف جسٹس نے مدعی اور وکلاء کے ساتھ وہ سخت رویہ ہی اختیار نہیں کیا صرف آیات قرآنیہ سے غلط استدلال ہی نہیں کیا، آئین کی آزادی مذہب کے حوالہ سے چند دفعات کا بے موقع اور بے محل استعمال ہی نہیں کیا، بلکہ انہوں نے قانون کی ایک مستقل شق کو ہی اپنے فیصلہ میں نظر انداز کر دیا۔ میں گذشتہ بیانات میں عرض کر چکا ہوں کہ جب قادیانیوں کی طرف سے تحریف قرآن اور محرف شدہ قرآن کی تقسیم و اشاعت کی وارداتیں بڑھنے لگیں اور وہ اعلانیہ طور پر یہ جرم کرنے لگے تو پنجاب حکومت نے پنجاب قرآن بورڈ کے ذریعہ پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کے نام سے ایک قانون نافذ کیا جس میں یہ صراحت کی گئی کہ جو غیر مسلم قرآن پاک یا قرآن پاک کی کسی آیت کا ایسا ترجمہ یا مفہوم کتابی صورت میں لائے گا جو ترجمہ و مفہوم اُمتِ مسلمہ کے اجماعی و متواتر اور مسلمہ عقیدہ کے خلاف

ہو تو اس غیر مسلم کو ۳سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانہ کی سزا ہوگی، یہ ایکٹ ۲۰۱۱ء میں نافذ ہوا تھا، قادیانی ملزم کے خلاف اس ایکٹ کی خلاف ورزی کی درخواست مارچ ۲۰۱۹ء میں دی گئی اور اس درخواست پر ایف آئی آر دسمبر ۲۰۲۲ میں درج ہوئی، یعنی جب قادیانی ملزم نے جرم کیا اس وقت بھی اس جرم کے خلاف قانون موجود تھا، جب قادیانی ملزم کے اس جرم کے خلاف تھانہ میں درخواست دی گئی اس وقت بھی اس جرم کے خلاف قانون موجود تھا، اور جب قادیانی ملزم کے خلاف ایف آئی آر درج ہوئی اس وقت بھی یہ قانون موجود تھا جس کے تحت ملزم ۳سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانہ کا مستحق تھا۔ لیکن جناب چیف جسٹس اپنے فیصلہ کے اندر لکھتے ہیں کہ ایف، آئی، آر، کے مطابق ملزم کا جرم ۲۰۱۹ کا ہے اور اس جرم کو ۲۰۲۱ء میں جرم قرار دیا گیا اور ۲۰۲۱ء میں ہی اس جرم کی سزا مقرر ہوئی۔ اس لئے ۲۰۱۹ء میں چونکہ یہ جرم ہی نہیں تھا، اس لئے اس جرم کے تحت ملزم کو قانونی طور پر کوئی سزا نہیں دی جاسکتی، حیرت کی بات ہے ریاست کے سب سے اونچے عدالتی منصب پر فائز ایک جج اور قاضی ایک واضح قانون سے لاپروائی اور غفلت کیسے برت سکتا ہے؟ کیسے ایک قانون کو نظر انداز کرسکتا ہے؟ اور کیسے اپنے فیصلہ کے اندر یہ لکھ سکتا ہے کہ وقوع جرم کے وقت یہ قانون موجود ہی نہیں تھا جب کہ قانون جرم واقع ہونے سے تقریباً ۸سال قبل تیار بھی ہوچکا تھا اور پورے صوبہ پنجاب کے اندر نافذ بھی ہوچکا تھا۔

۲۰۲۱ء میں قرآن ایکٹ بنا نہیں صرف اس کی سزا میں اضافہ ہوا!

لیکن جب قادیانیوں کی طرف سے اس جرم میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا اور انہوں نے اس قانون کی کوئی پرواہ نہ کی تو ۲۰۲۱ء میں اس قانون کے اندر ترمیم کے ذریعہ دو چیزوں کا اضافہ کیا گیا۔ پہلے قانون کے اندر جرم کی صورت یہ تھی کہ کوئی شخص اگر تحریری طور پر کتاب، رسالہ، پمفلٹ یا بینڈ بل وغیرہ کے ذریعہ یہ جرم کرتا ہے۔ قرآنی آیات کا غلط ترجمہ و تفسیر کرتا ہے تو یہ قانوناً جرم ہے اور ایسا کرنے والا مجرم ہے۔ ۲۰۲۱ء میں اس قانون کے اندر ترمیم کے ذریعہ یہ اضافہ کیا گیا کہ اگر یہ جرم ڈیجیٹل صورت میں بھی نیٹ یا سوشل میڈیا کے ذریعہ سرزد ہوگا تو وہ بھی قانوناً یہی جرم شمار ہوگا، یعنی اس جرم کی صورت کا دائرہ بڑھا دیا گیا۔

دوسری ترمیم اس ایکٹ کے اندر یہ کی گئی کہ پہلے اس جرم کی سزا ۳ سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانہ تھی، اب وہ سزا بڑھا کر ۷ سال قید اور ایک لاکھ روپے جرمانہ کر دی گئی۔ یعنی یہ کوئی نیا قانون نہیں تھا، بلکہ پہلے سے موجود قانون کے اندر ترمیم کے ذریعہ جرم کا دائرہ وسیع کیا گیا اور سزاؤں میں اضافہ کیا گیا، قانون وہی تھا اس کو شکل نئی دی گئی، جیسے پاکستان کے اندر توہین رسالت کے جرم کی پہلے دو سزائیں مقرر تھیں، سزائے موت یا عمر قید جج کے پاس اختیار تھا کہ وہ شاتم رسولؐ کو ان میں سے کوئی بھی سزا دے سکتا تھا، وہ چاہے عمر قید کی سزا دے یا پھانسی کی، پھر بعد ۱۹۹۱ء ہی میں شریعت کورٹ نے عمر قید کی سزا ختم کر کے صرف سزائے موت کو برقرار رکھا۔ اور اب قانونی طور پر توہینِ رسالت کی صرف ایک سزا ہے، یعنی سزائے موت، لیکن کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ۱۹۹۱ء سے پہلے توہین رسالت کی کوئی سزا موجود نہیں تھی، اسی طرح تحریف قرآن کی جرم کی سزا پہلے ۳ سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانہ تھی جو ۲۰۱۱ء سے چلی آ رہی تھی لیکن ۱۰ سال بعد ان سزائوں میں ترمیم کے ذریعہ اضافہ کیا گیا اور سزا ۷ سال قید اور ایک لاکھ روپے جرمانہ کر دی گئی۔ جرائم کی نوعیت میں تبدیلی اور سزائوں میں کمی بیشی کا سلسلہ ریاستی قوانین کے اندر چلتا رہتا ہے، حیرت کی بات ہے کہ جناب چیف جسٹس قانونی حوالہ سے اتنی فاش اور سنگین غلطی کیسے کر سکتے ہیں کہ وہ ملک کے اندر موجود ایک قانون کے وجود ہی کی نفی کر دیں، وہ اپنے فیصلہ کے اندر یہ پوائنٹ تو اٹھا سکتے تھے کہ قادیانی ملزم کا تحریف قرآن اور محرف قرآن کی تقسیم و اشاعت کا جرم چونکہ ۲۰۱۹ء کا ہے، اس لئے اسے سزا اسی قانون کے تحت دی جا سکتی ہے جو قانون ۲۰۱۹ء میں موجود تھا، یعنی ۳ سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانہ، ملزم کو ۲۰۲۱ء کی ترمیم کے ذریعے طے پانے والی سزا نہیں دی جا سکتی۔ لیکن جناب چیف جسٹس نے تو ۲۰۱۱ء کے قانون کی ہی سرے سے نفی کر دی، جو عدالت عظمیٰ کے اس فیصلہ پر قانونی حوالہ سے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔

عدالتِ عظمیٰ نے ایف، آئی، آر تاخیر سے درج کرنے کا نوٹس کیوں نہیں لیا؟

پھر جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلہ کے اندر ایک ستم یہ بھی ڈھایا ہے کہ انہوں نے ملزم

کے جرم کی تاریخ کا حوالہ تو دیا ہے کہ اس کا جرم ۲۰۱۹ء کا ہے اس لئے اسے ۲۰۲۱ء کی ترمیمی سزا کا حق دار قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن وہ ۲۰۱۹ء میں واقع ہونے والے اس جرم کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کی تاریخ کو نظر انداز کر گئے، جو دسمبر ۲۰۲۲ء میں درج ہوئی، جناب چیف جسٹس کو اپنے فیصلہ کے اندر اس بات کا نوٹس لینا چاہئے تھا کہ جب جرم مارچ ۲۰۱۹ء کا ہے اس جرم کے خلاف مدعی کی درخواست مارچ ۲۰۱۹ء کی ہے جو چناب نگر تھانہ میں جمع کرائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ مارچ ۲۰۱۹ء کی اس درخواست پر ملزم کے خلاف ایف آئی آر درج ہونے میں ۴ سال کی تاخیر کیوں ہوئی؟ کیا اس کا نوٹس لینا عدالتِ عظمیٰ کی ذمہ داری نہیں تھی؟ ہماری عدالتوں کی اسی کمزوری اور غفلت کی وجہ سے پورے ملک کے اندر ہزاروں لوگ اپنی درخواستیں ہاتھوں میں لے کر سالہا سال تک تھانوں، کچہریوں اور دفتروں کے دھکے کھاتے ہیں، کسی مقام پر ان بے چاروں کی شنوائی نہیں ہوتی، ان کی رپورٹ تک وصول نہیں کی جاتی۔ انہیں آج اور کل پر ٹرخایا جاتا ہے، اور اگر ان کی رپورٹ اور درخواست وصول کر بھی لی جائے تو ایف آئی آر درج نہیں ہوتی، صرف اس لئے کہ ان غریبوں کے پاس نہ دھن ہوتا ہے اور نہ دھونس، ان کے پاس نہ رشوت ہوتی ہے نہ سفارش، ان کے پاس صرف ٹائم ہوتا ہے تھانوں اور دفتروں کے دھکے کھانے کے لئے اور اس وقت کا خمیازہ بھی ان کے بچے بھگتتے ہیں بھوکے رہ کر فاقوں کے ذریعہ۔

بدل سکیں تو سسٹم بدلیں!

جناب چیف جسٹس اگر بدل سکیں تو تھانہ کچہری کا سسٹم بدلیں، سنوار سکیں تو اس نظام کو سنوارئیے، قوم کو ان مشوروں کی ضرورت نہیں کہ کون سے مقدمات کی ایف آئی آر پولیس کو درج کرنی چاہئے اور کون سی نہیں، قوم کو اس کا حق دیجیے، قانون اگر کسی کو کسی مقدمہ کی ایف آئی آر درج کرانے کا حق دیتا ہے تو پولیس کو اس ایف آئی آر کے درج کرنے سے روکنا قوم کی حق تلفی ہے، خدا کے لئے قوم قانون کے سہارے چلنا چاہتی ہے تو اس کے ہاتھ سے یہ لاٹھی چھیننے کی کوشش مت کیجیے، اس لاٹھی کو دیکھ کر کتا بھاگتا ہے اور انسان محفوظ رہتا ہے اور اگر یہ لاٹھی ہاتھ میں نہ ہو تو یا کتا انسان کو کاٹ کھائے گا اور یا انسان کتے پر پتھر برسائے گا۔ اس لئے قوم کو یہ مشورہ نہ دیجیے کہ مذہبی مقدمات

میں نہ اپنے دینی جذبات کا اظہار کریں اور نہ قانون کا سہارا لیں، آپ کی منصبی ذمہ داری کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ آپ عوام کو اپنا قانونی حق استعمال کرنے سے روکیں یا پولیس اور عدالت کو قانونی کاروائی کرنے سے باز رکھیں۔ بلکہ آپ کی منصبی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ سختی اور شدت کے ساتھ قانون کی پابندی کریں اور قانون کی پابندی کرائیں اور اس سسٹم میں تبدیلی لائیں جو مفاد یا غفلت کی وجہ سے جرائم میں اضافہ کر رہا ہے، اس سسٹم کی حالت یہ ہے کہ ہمارے ایک سابق وزیر جیل خانہ جات اپنے بیان میں قوم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جرائم تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں مزید جیلیں بنانے کی ضرورت ہے اور ہم مزید جیلیں بنوائیں گے، یعنی جرائم کم کرنے کی ضرورت نہیں، جیلیں بڑھانے کی ضرورت ہے، یہ کونسا فلسفہ ہے؟ اور کون سا سسٹم ہے کہ جرائم ختم یا کم نہیں کرنے، بلکہ جیلیں اور حوالاتیں بڑھانی ہیں۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ملزم پر ترس ضروری ہے اور مدعی ناقابل رحم ہے؟

جناب چیف جسٹس کیا آپ نے مقدمہ کی فائل سامنے رکھ کر اس بات پر غور کیا کہ مارچ ۲۰۱۹ میں دائر کی گئی ایک درخواست کو ایف آئی آر کی منزل تک پہنچنے کے لئے ۴ سال کیسے بیت گئے؟ اس درخواست پر بنائی گئی جے آئی ٹی کمیٹی نے ۴ سال تک ڈلے کیوں کیا؟ کے طویل عرصہ تک انتظار کیوں کیا؟ مدعی کو ۴ سال تک تھانہ اور دفتروں کے چکر کیوں لگانے پڑے؟ ہمارے بیہودہ اور فرسودہ انکوائری سسٹم کی وجہ سے ہمارے کچھوے کی چال چلنے والے عدالتی سسٹم کی وجہ سے، رشوت یا سفارش کے منحوس ماحول کی وجہ سے؟ ایک ایسا سسٹم جو دبائو میں آئے تو رات بارہ بجے عدالت لگانے بیٹھ جائے، بڑے لوگوں کے کیسوں کی سماعت شروع کر دے، اس سے بھی بڑے دبائو میں آجائے تو وکیلوں کو سنے بغیر چند منٹوں میں فیصلہ بھی سنا دے، اگر وہی سسٹم روٹین میں رہے تو ۱۰، ۱۰ر سال تک کیس ہی نہ کھلیں، تاریخوں پہ تاریخیں ڈلتی رہیں، مقدمہ ایک نسل کا ہو اور فیصلہ تیسری نسل کو سننے کو ملے۔ ہو سکتا ہے اس میں قانونی گنجائشیں موجود ہوں لیکن ہر معاملہ میں قانونی گنجائش نہیں دیکھنی چاہئیں۔ ہر معاملہ کے کچھ اخلاقی تقاضے بھی ہوتے ہیں کچھ سماجی اور معاشی تقاضے

بھی ہوتے ہیں، ان اخلاقی، سماجی اور معاشی تقاضوں کو دیکھنا بھی ریاست اور ریاستی اداروں کی ذمہ داری ہوتی ہے، صرف جوانیاں اور بڑھاپے ہی اس غلیظ فرنگی عدالتی سسٹم کی بھینٹ نہیں چڑھتے بلکہ وکیلوں کی فیسیں اور عدالتی تاریخیں ایک اچھے بھلے کھاتے پیتے انسان کا دیوالیہ کردیتی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس بارے میں قانون کیا کہتا ہے؟ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس مقدمہ کی ایف آئی آر تقریباً ۴ سال بعد درج ہوئی، عدالتِ عظمیٰ کی نظر میں وہ قادیانی ملزم تو مظلوم ٹھہرا، اس پر ترس کھایا گیا کرکے جرم کی قانونی سزا، ۶ ماہ بنتی تھی، وہ اپنی سزا سے زیادہ حوالات کاٹ چکا ہے اس لئے اسے ضمانت پر رہا کردیا گیا، لیکن مدعی کو اپنا حق لینے اور اپنے حق تک پہنچنے کے لئے جو ۴ سال بیت گئے اس کا کیا ہوا؟ وہ حق جو اسے پاکستان کے ریاستی مذہب نے دیا تھا، وہ حق جو اسے ریاست کے آئین و قانون نے دیا تھا، وہ حق جو اسے ریاست نے دیا تھا، وہ حق جو اسے اس کی غیرت و دیانت نے دیا، وہ حق جو اسے اس کے ایمان و ضمیر نے دیا، اسے اپنا وہ حق حاصل کرنے کے لئے ۴ سال کیوں بیت گئے؟ اور ۴ سال بعد بھی عدالت عظمیٰ اسے انصاف دینے کی بجائے اس کی اشک شوئی کرنے کی بجائے اسے مشورہ دے رہی ہے کہ مذہبی مقدمات میں نہ ایمانی جوش وجذبہ سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ریاستی قانون وآئین کے دروازہ پر دستک دینا ضروری ہوتا ہے، نہ دینی غیرت دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ملی حمیت، یہ خاموشی اور برداشت کا مقام ہے، یہ بے غیرتی اور بے حمیتی کی جگہ ہے، جوش وجذبہ اور غیرت وحمیت دکھانے کے اور بڑے مقام موجود ہیں، قانونی راستہ اختیار کرنے کے لئے دوسرے ہزاروں کیس موجود ہیں، مذہبی مقدمات میں آئین و قانون کا راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی مجرم کی حوصلہ افزائی اور معاونت کے لئے صریح قانون کی موجودگی کی نفی بھی کی جارہی ہے اور اسے آئین کی ان دفعات کی سپورٹ بھی دی جارہی ہے جس کا وہ قانونی طور پر حق دار نہیں ہے لیکن دوسری طرف مدعی کی حوصلہ شکنی کی جارہی ہے، حالانکہ وہ قانون کو ہاتھ میں نہیں لے رہا، قانون شکنی نہیں کررہا، غیر قانونی جوش وجذبہ کا مظاہرہ نہیں کررہا، وہ ایک ڈکیت اور لٹیرے سے اپنے مذہبی حق کو بچانے کے لئے قانون، عدالت اور ریاست کے دروازے پر دستک دے رہا ہے لیکن ظلم کی انتہا ہے کہ لوٹنے والے کو مظلوم اور لٹنے والے کو ظالم قرار دیا جارہا

ہے، خدانخواستہ اگر کوئی سر پھرا اور جاہل یہ دعویٰ کردے کہ یہ منصب اور اختیارات سے تجاوز ہے تو اسے کیسے روکا جاسکے گا؟

پولیس اور ماتحت کورٹس نے مدعی کی درخواستیں مقدمہ کا حصہ بنائیں!

میں عرض کرچکا ہوں کہ قادیانی ملزم کے خلاف مدعی نے درخواست مارچ ۲۰۱۹ء میں جمع کرائی تھی، لیکن ایف، آئی، آر دسمبر ۲۰۲۲ء میں درج ہوئی، ان چار سالوں کے درمیان قادیانی ملزم مرزا بشیر الدین محمود کی تفسیر تقسیم و شائع کرنے کا جرم مسلسل دہراتا رہا، اور مدعی ان کے بارہ میں انکوائری ٹیم کے سامنے درخواستیں جمع کراتا رہا۔ اور ایف، آئی، آر، درج ہونے کے بعد مدعی کی وہ تمام درخواستیں مقدمہ کا حصہ بنتی رہیں، اور چالان میں شامل ہوتی رہیں، قانون کے بارہ میں میں نہیں جانتا کہ وہ اس بارہ میں کیا کہتا ہے؟ لیکن بعض قانونی ماہرین کے نزدیک کسی بھی مقدمہ کا پورا انحصار صرف ایف آئی آر پر نہیں ہوتا بلکہ پولیس چالان بھی ایف، آئی، آر، کا حصہ ہوتا ہے اور مدعی کی طرف سے دی گئی درخواستیں بھی چالان کا حصہ بننی چاہئیں اور پولیس نے ان درخواستوں کو باقاعدہ مقدمہ اور چالان کا حصہ بنایا۔ انکوائری ٹیم نے وہ درخواستیں چالان میں شامل کیں اور انہی درخواستوں کے چالان کا حصہ بننے کے بعد پولیس کی طرف سے ملزم کے خلاف مزید قانونی دفعات چالان میں شامل کی گئیں۔ ایف، آئی، آر، کے اندر درج قرآن ایکٹ اور دوسری تمام قانونی دفعات ناقابلِ ضمانت اور ناقابل مفاہمت تھیں، اسی لئے سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ نے ملزم کی درخواست ضمانت مسترد کردی اور ضمانت ری جیکٹ کردی، لیکن جناب چیف جسٹس نے مدعی کی درخواستوں پر پولیس چالان میں شامل ہونے والی تمام قانونی دفعات بیک جنبش قلم مقدمہ سے خارج کردیں اور یہ شاہی فرمان جاری کردیا کہ مدعی کون ہوتا ہے دعویٰ کرنے والا، یہ ریاست کا کیس ہے اور ریاست ہی کیس لڑے گی۔

آئین کے آرٹیکل ۱۲، کا اطلاق قادیانی ملزم پر نہیں ہوتا!

لیکن ریاستی وکیل کو بھی جناب چیف جسٹس نے تیاری کی مہلت دینے سے انکار کردیا، اور پھر ایک اور ستم یہ کیا کہ انہوں نے قادیانی ملزم کو خصوصی رعایت اور سہولت دینے کے لئے آئین پاکستان کے آرٹیکل ۱۲/ کا سہارا بھی اسے دے دیا اور اس کے لئے انہوں نے ایک مستقل ریاستی قانون سے بھی انحراف کردیا۔ آئین کا آرٹیکل ۱۲/ کہتا ہے کہ کسی ملزم کو اس کے اس جرم کی سزا نہیں دی جاسکتی جس جرم کا ارتکاب کرتے وقت قانوناً وہ جرم تھا اور نہ اس جرم کی ریاست کی طرف سے کوئی سزا مقرر تھی، میں تفصیل کے ساتھ عرض چکا ہوں کہ قادیانی ملزم نے تفسیر صغیر تقسیم کرنے کا جرم مارچ ۲۰۱۹ء میں کیا تھا اور اس جرم کی سزا جرم کرنے سے ۸/سال پہلے سے موجود ہے۔ اس جرم کی سزا کے لئے قانون پنجاب ہولی قرآن ایکٹ کے نام سے ۲۰۱۱ء میں تیار ہوگیا تھا اور اس وقت سے نافذ العمل تھا، لیکن عدالت عظمیٰ کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ اس وقت قرآن ایکٹ موجود ہی نہیں تھا، اور نہ اس کی کوئی سزا مقرر تھی، حالانکہ ۲۰۱۹ء میں یہ قانون بھی موجود تھا، اور اس کی ۳ /سال قید تک سزا بھی مقرر تھی، اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو قادیانی ملزم صرف قرآن ایکٹ کے حوالہ سے ہی کم از کم ۳/سال قید اور ۲۰ ہزار روپے جرمانے کی سزا کا مستحق ہے۔

آرٹیکل ۱۲ کا اطلاق کس ملزم پر ہوتا ہے؟

قادیانی ملزم کو قانونی ریلیف دینے کے لئے جناب چیف جسٹس نے آئین کے آرٹیکل ۱۲ کا سہارا لیا ہے جس کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص ۲۰۱۹ء میں ایک ایسا جرم کرتا ہے جو اخلاقی یا سماجی حوالہ سے تو جرم کہلا سکتا ہے لیکن وہ ابھی قانونی طور پر جرم نہیں بنا اور نہ اس جرم کے لئے قانونی طور پر کوئی سزا مقرر ہے، قانونی طور پر اس جرم کو جرم ۲۰۲۱ء میں قرار دیا گیا اور اس جرم کی قانونی طور پر سزا بھی مقرر ہوگئی، اس شخص پر اس جرم کی ایف آئی آر ۲۰۲۲ء میں لکھی گئی حالانکہ جرم اس کا ۴، ۳ سال پہلے کا ہے اور اس وقت وہ جرم قانون کی نظر میں جرم نہیں تھا، آئین کا آرٹیکل ۱۲ کہتا ہے کہ اس شخص کو قانونی اعتبار سے کوئی سزا نہیں دی جاسکتی، مثال کے طور پر کوئی شخص کسی شخص کا بائیک یعنی موٹر سائیکل اس کی اجازت کے بغیر لے جاتا ہے جو کہ اخلاقی اور تہذیبی حوالہ سے غلط تھا

مگر قانونی حوالہ سے یہ جرم نہیں تھا، یہ واردات اس نے ۲۰۱۹ء میں کی، یہ چوری کا جرم نہیں تھا، کسی کی چیز کو بغیر اجازت کے استعمال کا جرم تھا جس پر صرف تنبیہ کی جاسکتی تھی کہ قانوناً اس کی کوئی سزا نہیں تھی، اتفاق سے یہ وارداتیں بڑھنے لگیں جس جی چاہتا وہ کسی کی بائیک اس کی اجازت کے بغیر لے جاتا، یہ صورت حال لوگوں کے لیے پریشان کن ہوگئی ریاست نے ۲۰۲۱ء میں یہ قانون بنادیا کہ کسی کی بائیک بغیر اجازت اگر کوئی لے جائے تو یہ قانون اسے ایک ماہ قید اور ۵۰۰ روپے جرمانہ کی سزا ہوگی، اب وہ شخص جس کا بائیک ۲۰۱۹ء میں چرالی گئی تھی اس نے آکر ۲۰۲۲ء میں تھانہ کے اندر شکایت کردی کہ فلاں شخص نے ۲۰۱۹ء میں میرا بائیک چرایا تھا، لہٰذا میں اس کے خلاف ایف، آئی، آر، درج کرانا چاہتا ہوں، آئین کا آرٹیکل ۱۲/ کہتا ہے کہ یہ ایف، آئی، آر درج نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ جرم اس وقت ہوا تھا جب قانون کی نظر میں یہ جرم نہیں تھا، اور نہ اس کی کوئی سزا مقرر تھی، یہ میں نے سمجھانے کے لیے صرف ایک مثال دی ہے تاکہ آپ آرٹیکل ۱۲/ کی نوعیت کو سمجھ سکیں، واقعاتی حوالہ سے یہ شاید آج بھی جرم نہ ہو، لیکن اخلاقی اور تہذیبی حوالہ سے یہ ایک سنگین جرم ہے۔

قادیانی ملزم پر آرٹیکل ۱۲ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عدالتِ عظمیٰ نے قادیانی ملزم کو جو ریلیف دیا ہے کیا اس قادیانی ملزم پر آرٹیکل ۱۲/ کا اطلاق ہوسکتا ہے؟ میرے خیال میں وہ قادیانی ملزم اس آرٹیکل کی سہولت کا ہرگز حق دار نہیں ہوسکتا، کیونکہ بائیک شوق مجرم جو بائیک چور نہیں ہے وہ اپنے اس جرم کو بار بار دہراتا ہے، مسلسل اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لئے کسی نہ کسی کا بائیک وقت گزاری کے لئے لے اُڑتا ہے اور پھر واپس کرکے سوری بول کر جاتا ہے، اخلاقی اور سماجی ضابطوں کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہے وہ ہٹ دھرم، ڈھیٹ اور ضدی نسل کا مجرم ہے۔ قانون بننے کے بعد بھی وہ اپنا شوقیہ جرم جاری رکھتا ہے، اب پولیس یا عدالت یہ کہہ کر اس مجرم کے جرم کو نظر انداز کرتی رہے کہ چلو کوئی بات نہیں، تمہارا محلے دار ہے، تمہارا ہمسایہ ہے، تمہاری برادری اور کنبہ سے تعلق رکھتا ہے اس کو ضرورت پڑتی ہے تو وہ تمہارا بائیک لے جاتا ہے، پھر واپس بھی کر جاتا ہے، اور سوری بھی بولتا ہے

چلو تم درگزر کرو، نظر انداز کرو، تو کیا پولیس اور عدالت کی طرف سے اس بائیک شوق مجرم کی

اس حوصلہ افزائی سے مجرم اپنے جرم سے کبھی باز آئے گا؟ اور پھر تو اس کی اصلاح اور بھی مشکل ہوجائے گی جب اس کے جرم کے سر پر طاقت ور قوتوں کا سایہ بھی ہو، وہ کسی ایم این اے، یا ایم پی اے، یا سرکاری افسر کا فرزند ارجمند ہو، جناب چیف جسٹس یہاں قادیانی ملزم کا حال یہی ہے اس نے مرزا بشیر الدین محمود کی تفسیر تقسیم کرنے کا جرم صرف ۲۰۱۹ء میں ہی نہیں کیا بلکہ مسلسل اور متواتر اس جرم کو جاری رکھا۔ اس نے اس تحریف شدہ تفسیر کی اشاعت و تقسیم کا سلسلہ ۲۰۱۹ء میں شروع کیا تو وہ اس وقت بھی قانوناً جرم تھا۔ مارچ ۲۰۱۹ء میں اس نے یہ جرم کیا تو بھی یہ قانونی طور پر جرم تھا اور اس کے جرم کے حوالہ سے اس کے خلاف تھانہ میں درخواست دی گئی، مگر وہ اپنے جرم سے باز نہیں آیا، اُدھر ۲۰۲۰ء میں اس نے یہ جرم جاری رکھا، ۲۰۲۱ء میں بھی وہ یہ جرم مسلسل کرتا رہا، دسمبر ۲۰۲۲ء میں بھی اس کے خلاف ایف، آئی، آر، درج ہوئی تو بھی اس کا جرم جاری رہا، جنوری ۲۰۲۳ء میں اپنی گرفتاری تک وہ یہ جرم کرنے سے باز نہیں آیا، اس کے خلاف تھانہ میں درخواست دی گئی وہ اپنے جرم سے باز نہیں آیا، اس کے خلاف جے، آئی، ٹی، کمیٹی بنی وہ اپنے جرم سے باز نہیں آیا، اس کے جرم کی قانونی سزا میں اضافہ ہوا وہ اپنے جرم سے باز نہیں رکا۔ اس کے خلاف پنجاب قرآن بورڈ نے ایکشن لیا وہ اپنے جرم سے باز نہیں آتا، اس کے خلاف ایف، آئی، آر، کٹی وہ اپنے جرم سے باز نہیں آیا، حتیٰ کہ اس نے اپنی گرفتاری تک اپنے جرم کو جاری رکھا، وہ نہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کی پرواہ کرتا ہے، نہ تھانہ میں درخواست سے ڈرتا ہے، نہ پولیس سے ڈرتا ہے، نہ انکوائری سے خوف کھاتا ہے، نہ آئین اور قانون کا احترام کرتا ہے، آخر وہ کس لاڈلے کی اولاد ہے؟ کس طاقتور کی چھتری کے سایہ میں وہ پوری ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ قانون شکنی کر رہا ہے؟ وہ کون سی قوت ہے جس نے اس کے دل سے آئین اور قانون کا خوف اور احترام نکال دیا ہے؟ وہ عالمی طاغوتی قوتیں ہیں، وہ بین الاقوامی استعماری طاقتیں ہیں، وہ قومی اداروں کے اندر چھپ کے بیٹھے قادیانی ایجنٹ ہیں اور ہمارا پورا ریاستی سسٹم ان قوتوں اور ان ایجنٹوں کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔

قادیانی ملزم قرآن ایکٹ کے تحت کتنی سزائوں کا مستحق ہے؟

انہی استعماری قوتوں اور قومی اداروں میں چھپے بیٹھے قادیانی ایجنٹوں کی سرپرستی اور ہلہ شیری میں

وہ قادیانی ملزم اپنے قانونی جرم کو دہراتا چلا گیا، میں نہیں جانتا کہ کوئی مجرم اپنے جرم کو جب بار بار دہراتا ہے تو وہ ہر بار کے جرم کی الگ الگ سزا کا مستحق ہوتا ہے یا اس کے تمام جرائم کو ایک ہے جرم شمار کر کے اسے ایک ہی سزا دی جاتی ہے، لیکن میرا وجدان اور میرا شعور یہ کہتا ہے کہ قادیانی ملزم نے جب یہ جرم ۲۰۱۹ء میں کیا تھا تو اس وقت بھی وہ قانوناً جرم تھا اور اس جرم کی سزا ۳سال قید اور ۲۰ہزار روپے جرمانہ تھی، لہٰذا وہ اپنے ۲۰۱۹ء کے جرم کی بنا پر ۳سال قید اور ۲۰ہزار روپے جرمانہ کا مستحق ٹھہرا، اس نے اپنے جرم کو جاری رکھا اس سے باز نہیں آیا، یہاں تک کہ ۲۰۲۱ میں قانون کے اندر جرم کی سزا، ۳/سال سے بڑھا کر ۷/سال قید اور ۲۰ہزار روپے سے بڑھا کر ایک لاکھ روپے جرمانہ تک کر دی گئی، اب اس نئی سزا کے جاری ہونے بعد بھی وہ اپنے جرم کو دہراتا رہا، جس کے ٹھوس شواہد اور پختہ ثبوت مقدمہ کی فائلوں میں موجود ہیں، اس قادیانی ملزم کے اس جرم کے دو دور ہو گئے، دونوں ادوار میں اس کا جرم ثابت ہے، اس کے جرم کے پہلے دور میں اس جرم کی سزا ۳/سال قید اور ۲۰ہزار جرمانہ تھی، اور دوسرے دور میں اس جرم کی سزا ۷/سال قید اور ایک لاکھ روپے جرمانہ ہے، اب ہر بار کے جرم کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو جرم کے دونوں ادوار سے صرفِ نظر پھر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے صرف پنجاب قرآن ایکٹ کے تحت ہی قادیانی ملزم کی کم از کم سزا ۱۰/سال قید اور ایک لاکھ ۲۰ہزار روپے جرمانہ بنتی ہے۔ اور قادیانی ملزم کم از کم اتنی سزا کا حق دار تو لازمی ہے۔ باقی انشاء اللہ آئندہ جمعہ کو۔

وماعلینا الاالبلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(چوتھا بیان)

قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہ وَکفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی !اَمَّابَعْدْ!اَعُوْذُبِاللّٰہِمِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَی أَھْلِھَا وَإِذَاحَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْکُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہِ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیعًا بَصِیرًا ﴾ [النساء: 58]

بردران اہل السنۃ والجماعۃ!

گزشتہ تین بیانات میں میں سپریم کورٹ کے ایک غلط اور تشویشناک فیصلے کے بارے میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکا ہوں اور آج بھی ان شاء اللہ اسی فیصلے پر مزید روشنی ڈالوں گا۔ میں گزشتہ بیانات میں اپنے ناقص علم کے مطابق واضح کر چکا ہوں کہ چناب نگر کے ایک قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی نے مرزا بشیر الدین محمود کی تفسیرِ صغیر کو شائع کر کے تقسیم کیا جو قانونی طور پر جرم تھا، اس کے اس جرم کے خلاف جناب محمد حسن معاویہ نے چناب نگر تھانہ میں درخواست دی، تھانہ کے اہل کاروں نے اس درخواست پر ایف، آئی، آر، درج نہ کی اور چنیوٹ کی ضلعی انتظامیہ نے اس پر ایک جے، آئی، ٹی، کمیٹی بنادی، پونے چار سال تک یہ معاملہ اسی کمیٹی میں اٹکا رہا، مارچ ۲۰۱۹ء میں

اس مجرم کے خلاف دی جانے والی درخواست پر پنجاب قرآن بورڈ کے خصوصی لیٹر کے ذریعے پونے چار سال بعد دسمبر ۲۰۲۲ء میں ایف، آئی، آر، درج ہوئی، اس کے تقریبا ایک ماہ بعد جنوری ۲۰۲۳ء میں ملزم کی گرفتاری عمل میں آئی، سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ نے ملزم کی درخواست ضمانت مسترد کر دی، کیونکہ ملزم کے خلاف عائد کی گئی قانونی دفعات ناقابلِ ضمانت تھیں، ضمانت کا کیس سپریم کورٹ میں گیا تو سپریم کورٹ نے پورے کیس کا پانسہ ہی پلٹ دیا، سپریم کورٹ نے ایک طرف تو اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ملزم کے خلاف تمام قانونی دفعات مقدمہ سے خارج کر دیں، دوسری طرف ماتحت عدلیہ اور پولیس انکوائری ٹیم پر غیر ذمہ داری کا بوجھ لاد کر انہیں ہی کیس کے بارے میں مورد الزام ٹھہرا دیا، اور تیسری طرف چند قرآنی آیات سے بے بنیاد اور غیر ضروری استدلال کرتے ہوئے ماتحت عدالتی اور انکوائری اداروں کو عدالتی سرزنش بھی کر دی کہ مذہبی مقدمات کے بارے میں قانون کی کتابوں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں، ان کے لیے اللہ کا قرآن کافی ہے۔ عدالت عظمیٰ کے اس فیصلے کے ان تمام پہلوؤں پر میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکا ہوں۔ اب اس عدالتی جرم کو بار بار دہرانا میں مناسب نہیں سمجھتا۔

مجموعۂ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۲۷/ اور عدالت کا اختیار

جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلے کے اندر مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۲۷/ کو بھی استعمال کیا ہے اس قانونی دفعہ کے تحت عدالتوں اور ججوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ زیر سماعت مقدمے کا فیصلہ سنانے سے پہلے ایف، آئی، آر، میں درج فرد جرم اور قانونی دفعات میں ردو بدل بھی کر سکتے ہیں، انہیں ختم بھی کر سکتے ہیں اور ان میں اضافہ بھی کر سکتے ہیں، میں گزشتہ بیانات میں عرض کر چکا ہوں کہ مدعی کی طرف سے ملزم کے خلاف تھانہ میں رپورٹ جمع کرانے کے بعد ایف، آئی، آر، درج ہونے تک پونے چار سال تک ملزم کا جرم بھی مسلسل جاری رہا اور اس کے ہر جرم کے خلاف مدعی کی درخواستیں بھی جمع ہوتی رہیں، جن میں ملزم کے خلاف شواہد اور ثبوت پیش کیے جاتے رہے، ان تمام شواہد اور ثبوتوں کی روشنی میں سیشن

کورٹ نے ملزم کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵/اور دفعہ ۲۹۸/بھی مقدمہ میں شامل کرلی کیونکہ شواہد اور ثبوتوں کی موجودگی میں یہ عدالت کا حق تھا اور مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۲۷/قانونی طور پر ججوں کو یہ اختیار دیتی ہے، اب ملزم پر تین مقدمات بن گئے، اس پر تین قانونی دفعات لاگو ہوگئیں، ایف، آئی، آر، میں ملزم پر پنجاب ہولی قرآن ایکٹ کی خلاف ورزی کا جرم عائد کیا گیا تھا اور پھر عدالت کی طرف سے اس پر تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ اور دفعہ ۲۹۸/بھی لاگو کردی گئی اور یہ دفعہ پولیس چالان کا حصہ بن گئی، ملزم کے خلاف یہ تینوں دفعات ناقابل ضمانت بھی ہیں اور ناقابل مفاہمت بھی، یعنی ان دفعات کی وجہ سے نہ تو ملزم کی ضمانت ہوسکتی ہے اور نہ ہی ملزم کے ساتھ کوئی مصالحت ہوسکتی ہے، ان دفعات کی موجودگی میں مدعی اور ملزم کے درمیان کمپرومائز کی ہر صورت ختم کردی گئی، کیونکہ ان دفعات کا تعلق مدعی کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے دین اور اس کے ریاستی وہ مملکتی مذہب کے ساتھ ہے، اس لیے وہ ملزم کے ساتھ کوئی صلح اور کوئی کمپرومائز نہیں کرسکتا، اسی لیے ریاست بھی ایسے مقدمات میں فریق ہوتی ہے اور اس کیس میں بھی ریاست بحیثیت فریق مدعی کے ساتھ ملزم کے خلاف کھڑی ہے، سیشن کورٹ نے مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۲۷/کے تحت ہی اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ایف، آئی، آر، پولیس چالان مدعی کی درخواستوں اور انکوائری رپورٹوں کی روشنی میں ملزم کے خلاف مزید قانونی دفعات مقدمہ میں شامل کی تھیں اور ہائی کورٹ نے بھی ان دفعات کو مقدمہ میں برقرار رکھا تھا، میں گزشتہ بیانات میں پوری طرح واضح کرچکا ہوں کہ قادیانی ملزم واقعی ان دفعات کا حقدار تھا۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ میں دفعہ ۲۲۷/کا غیر منصفانہ استعمال

لیکن جناب چیف جسٹس نے اپنی ماتحت عدالتوں یعنی ہائی کورٹ اور سیشن کورٹ پر قواعد کی خلاف ورزی اور بے ضابطگی کا الزام عائد کرکے ان تمام دفعات کو مقدمہ سے خارج کردیا، جس کی وجہ سے اس فیصلے کے بارے میں بہت سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، بہت

سے ابہام جنم لیتے ہیں، کیونکہ ضابطہ فوجداری کی جس دفعہ ۲۲۷/ کے تحت عدالت عظمیٰ نے یہ دفعات مقدمہ سے خارج کرنے کے لیے اپنا اختیار استعمال کیا ہے، اسی ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۲۷/ کا اختیار ماتحت عدالتوں نے ان دفعات کو مقدمہ کے اندر شامل کرنے کے لیے کیا ہے، اسی دفعہ کے اختیار کے تحت انہوں نے قادیانی ملزم پر یہ قانونی دفعات عائد کی تھیں، یعنی ملزم کے خلاف دفعہ ۲۹۵/ اور دفعہ ۲۹۸/ مقدمہ میں شامل کرنے کے لیے جو قانونی اختیار ماتحت عدالتوں نے اختیار کیا وہی اختیار جناب چیف جسٹس ان دفعات کو مقدمہ سے خارج کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ ماتحت عدالتوں یعنی سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ نے اپنا یہ اختیار استعمال کرنے سے پہلے مدعی کی درخواستوں کو بھی پڑھا، پولیس چالان کو بھی دیکھا، انکوائری رپورٹوں کو بھی دیکھا اور فریقین کے وکیلوں کو بھی سنا، مگر جناب چیف جسٹس نے صرف مقدمات کے مندرجات کو سامنے رکھا اور وکیلوں کو سنے بغیر فیصلہ سنا دیا اور مدعی کو مقدمہ سے آؤٹ کر کے اہم اور ضروری قانونی دفعات کو مقدمہ سے خارج کر دیا۔

سپریم کورٹ کا عائد کردہ ۱۹۳۲ء کا ترمیمی بل کیا ہے؟

اور اپنی طرف سے ۱۹۳۲ء کے ایک ترمیمی بل کو مقدمہ میں شامل کر کے ملزم کو یہ کہہ کر ضمانت پر رہا کر دیا کہ اس مقدمہ کی سزا صرف ۶/ ماہ قید ہے چونکہ ملزم ۶/ ماہ سے زائد حوالات کاٹ چکا ہے اس سے زیادہ اسے قید رکھنا ناانصافی ہے اس لیے اسے ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے، حیرت کی بات ہے کہ جس قانونی اختیار کو ماتحت عدالتیں مقدمہ کے پورے سیاق و سباق کو دیکھنے اور وکیلوں کو سننے کے بعد استعمال کر رہی ہیں اسی اختیار کو جناب چیف جسٹس بغیر وکیلوں کو سنے استعمال کر رہے ہیں اور دونوں کا رزلٹ الگ الگ ہے، دونوں کا نتیجہ جدا جدا ہے، ایک فریق اسی قانونی اختیار کو استعمال کر کے مقدمہ کے اندر قانونی دفعات کا اضافہ کر رہا ہے اور دوسرا فریق اسی اختیار کو استعمال کر کے نہ صرف اضافی دفعات کو مقدمہ سے خارج کر رہا ہے بلکہ ایف، آئی، آر، میں درج قرآن ایکٹ کو بھی ختم کر رہا ہے، کیا یہ ظلم اور ستم کی انتہا نہیں

ہے کہ جناب چیف جسٹس نے صرف مقدمہ کی بنیاد کو کمزور کرنے کے لیے ایک طرف تو ایف، آئی، آر، کے اندر درج قرآن ایکٹ کو یہ کہہ کر مقدمہ سے خارج کر دیا کہ یہ ایکٹ اس وقت موجود ہی نہیں تھا جب یہ جرم ہوا تھا؟ حالانکہ میں واضح کر چکا ہوں کہ یہ قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء میں بنا تھا ،یعنی جرم واقع ہونے سے ۸/سال پہلے بھی یہ قانون موجود تھا اور دوسری طرف جناب چیف جسٹس چالان کے اندر موجود قانونی دفعات کو یہ کہہ کر خارج کر رہے ہیں کہ یہ ماتحت عدالتوں کی طرف سے قواعد کی خلاف ورزی ہے۔ ایف، آئی، آر، اور چالان کی تمام دفعات کو ختم کر کے جناب چیف جسٹس اپنی طرف سے ایک قانون لاگو کرتے ہیں کہ اگر ملزم پر اس جرم کے لیے کوئی قانون لاگو ہو سکتا ہے تو وہ ۱۹۳۲ء کا ترمیمی بل ہے جس کی سزا ۶/ماہ ہے اور ملزم چونکہ اس سے زیادہ حوالات کاٹ چکا ہے، اس لیے اسے ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ۱۹۳۲ء کا ترمیمی بل کیا ہے؟ یہ ممنوعہ کتب کی ترسیل و اشاعت اور تقسیم و فروخت پر پابندی کا قانون ہے لیکن میرے خیال میں اس ممنوعہ لٹریچر یا کتابوں کا تعلق تخریب اخلاق سے ہے نہ کہ تخریب عقائد سے، یعنی اخلاق و کردار کو تباہ کرنے والی ممنوعہ کتب تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۲/اور دفعہ ۲۹۳/میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ فحش، بے ہودہ اور اخلاق سوز کتابوں کی اشاعت کرنا، ان کی نمائش لگانا، ان کو فروخت کرنا، ان کو تقسیم کرنا قانوناً ممنوع ہے ،اگر کسی نے عام پبلک کے اندر بڑی عمر کے لوگوں میں ایسی کسی کتاب کی تشہیر و نمائش کی یا اسے فروخت و تقسیم کیا تو اسے تین ماہ قید اور جرمانہ کی سزا ملے گی اور اگر یہی فحش اور اخلاق سوز لٹریچر اس نے ۲۰/سال سے کم عمر کے بچوں پر فروخت کیا یا انہیں گفٹ کیا یا اتنی کم عمر کے بچوں میں تقسیم کی تو وہ ۴ ماہ قید اور جرمانہ کی سزا کا مستحق ہوگا، لیکن اس قانون کے ساتھ یہ وضاحت وصراحت بھی کی گئی ہے کہ ایسی فحش اور اخلاق سوز کتابیں اور رسالے اس قانون سے مستثنیٰ ہوں گے جو خالص مذہبی اغراض و ضرورت کے لیے لکھی یا رکھی گئی ہوں، شاید یہ استثناء ہندوؤں کے ان شاستروں کے بارے میں ہو جن میں دعوت و تربیت کا بڑا بیہودہ اور فحش طرز

اختیار کیا گیا ہے۔ یا یہ استثناء مرزا غلام احمد قادیانی کی ان فحش اور بیہودہ کتابوں کے بارے میں ہو جن میں مرزا قادیانی کی تحریرات کسی کوک شاستر سے کم نہیں، بہرحال فحش اور بے ہودہ لٹریچر کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اگر جناب چیف جسٹس کا اشارہ اسی قانون کی طرف ہے یعنی تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۲/اور دفعہ ۲۹۳/کی طرف جو ممنوعہ کتب پر پابندی کے قوانین ہیں تو اس کا تعلق غیر اخلاقی لٹریچر سے ہے، مذہبی کتابوں سے نہیں، جبکہ آئین اور قانون کی کتابوں میں مذہب اور اخلاق کے باب الگ الگ ہیں اور اس مقدمہ میں مدعی کا مطالبہ کسی مخرب اخلاق کتاب اور پابندی کا نہیں، بلکہ مخرب عقائد کتاب پر پابندی کا ہے، مخرب اخلاق و کردار لٹریچر سے تو مارکیٹیں بھری پڑی ہیں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، بلکہ اب تو دنیا کا سب سے مخرب اخلاق ہتھیار تو موبائل اور انٹرنیٹ ہے جو تقریباً ہر پاکستانی کی جیب میں ہر وقت موجود رہتا ہے، اسے ختم کرنے کے لیے نہ تو عدالت کے پاس ٹائم ہے اور نہ شاید وہاں تک عدالت کی پہنچ ہے، اور ہماری پوری کی پوری نسل کے اخلاق و کردار کا خانہ خراب ہو رہا ہے، اس کیس کے اندر مدعی کا مطالبہ "تفسیر صغیر" کی اشاعت و تقسیم پر پابندی کا ہے جو ایک تخریب عقائد اور تحریف قرآن کی کتاب ہے، جس کی اشاعت و تقسیم کے جرم کی سزا آئین و قانون کے مذہبی ابواب میں تلاش کرنا ہوگی، چیف جسٹس اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمالیں شاید ان کو اس جرم کی قانونی سزا انہی قانونی دفعات میں مل جائے جو قانونی دفعات انہوں نے مقدمہ سے خارج کر دی ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ہمارے چیف جسٹس ایمانی و اخلاقی اور قانونی و اصولی ہمت فرمائیں تو انہیں قادیانی مجرم کے جرم کا نشان ان شاء اللہ العزیز انہی قانونی دفعات میں مل جائے گا، ورنہ جناب چیف جسٹس کے موجودہ فیصلہ کے بارے میں کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کہیں یہ منصب کا ناجائز استعمال اور حدود اختیار سے تجاوز تو نہیں؟ ماتحت عدالتیں اپنے قانونی اختیار کا قانونی استعمال کریں تو ضابطہ کی خلاف ورزی اور اگر عدالت عظمیٰ اپنے امکان و گمان کی خاطر اپنا قانونی اختیار استعمال کر کے مقدمہ کے نقوش ہی مٹا دینے کی

کوشش کرے تو وہ قانون، وہ عدل اور انصاف، بلکہ معاذ اللہ وہ قرآن، وہ قرآنی فیصلہ، کاش چیف جسٹس قوم کو اس تشویش سے باہر نکال سکیں۔

ایک قادیانی ملزم کے لیے ریلیف، اور ہزاروں بے گناہ انصاف سے محروم

اور قوم کے اندر یہ تشویش بھی پائی جاتی ہے کہ جب ریاست نے خود قادیانیوں کو دوسری اقلیتیوں سے الگ رکھا ہے، ان کے لیے واضح طور پر الگ مذہبی قوانین بنائے ہیں تو پھر ان واضح اور غیر مبہم قوانین کو نظر انداز کر کے آخر ایک صدی پہلے کے ترمیمی بل کا سہارا لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ایک صدی پہلے کے ترمیمی بل کا سہارا لینے کا آخر مقصد کیا ہے؟ جب ریاست اپنے پارلیمانی فیصلوں کے ذریعے قادیانی اقلیت کو باقی اقلیتوں سے الگ رکھ رہی ہے تو عدلیہ کی کیا مجبوری ہے کہ وہ ریاست کے پارلیمانی فیصلوں کے خلاف کھل کر صف آرا ہو رہی ہے؟ وہ اپنے اس فیصلے سے آخر کیا ثابت کرنا چاہتی ہے؟ حالانکہ پاکستانی مسلمانوں کا یہ موقف واضح اور دو ٹوک صورت میں سامنے آچکا ہے کہ قادیانی جب تک اسلام کا نام استعمال کرتے رہیں گے، جب تک اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہیں گے، جب تک قرآن اور باقی اسلامی تعلیمات کو اپنے جھوٹے اور من گھڑت مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے استعمال کرتے رہیں گے، جب تک وہ اپنا الگ مذہبی تشخص قائم نہیں کر لیتے، اپنی الگ مذہبی شناخت نہیں بنا لیتے، اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم نہیں کر لیتے اس وقت تک ہم پاکستان کے اندر ان کا کوئی مذہبی حق تسلیم نہیں کریں گے، اگر وہ اپنا مذہبی حق حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مسلمانوں کی شناخت ختم کر کے اپنی الگ مذہبی شناخت بنائیں، مسلمانوں کے شعائر ترک کر کے اپنے الگ مذہبی شعائر متعیّن کریں، اسلامی عنوان سے اپنی تبلیغ بند کریں اپنی اقلیتی حیثیت تسلیم کریں، ورنہ ان کا آزادیٔ مذہب کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا، جناب چیف جسٹس یہی قوم

کی آواز ہے، اور یہی قانون کا تقاضا ہے، آپ ہماری ریاست کے سب سے اونچے عدالتی منصب پر فائز ہیں اس لیے آپ کو قوم کے جذبات کا احترام کرنا ہوگا اور قانون کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔

قادیانی ملزم کے پانچ جرائم اور ان کی سزا

میں اپنے گزشتہ بیانات میں واضح کر چکا ہوں کہ قادیانی ملزم مبارک احمد ثانی کا جرم یہ ہے کہ اس نے مرزا بشیر الدین محمود کی "تفسیر صغیر" شائع اور تقسیم کی اس حوالے سے وہ پانچ قانونی جرائم کا مرتکب ہوا ہے، اور ہر جرم کی الگ الگ قانونی سزا مقرر ہے، جناب چیف جسٹس اس کھلی حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے۔

(۱) اس قادیانی ملزم نے قرآن پاک کی تفسیر تقسیم کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/بی کے خلاف ورزی کی ہے، حالانکہ اس قانون کے مطابق کوئی بھی قادیانی اگر اپنے آپ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلمان ظاہر کرے تو وہ تین سال قید کی سزا کا حقدار ہے، اور اس کے اسی جرم کی وجہ سے ماتحت عدالتوں نے اس پر یہ دفعہ عائد کی تھی، اس میں آخر کون سی بات خلاف حقیقت تھی جس کی وجہ سے عدالت عظمیٰ ماتحت عدالتوں پر قواعد کی خلاف ورزی کا الزام بھی عائد کر رہی ہے اور اس قانونی دفعہ کو بھی مقدمہ سے خارج کر رہی ہے؟

(۲) اس قادیانی ملزم نے قرآن پاک کو اپنے مذہبی مقاصد کے لیے استعمال کیا اور یہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵بی کی خلاف ورزی ہے، جس کی قانونی سزا عمر قید ہے اسی وجہ سے ماتحت عدالتوں نے ملزم پر یہ دفعہ عائد کی، اس میں آخر کون سی بات غلط اور خلاف حقیقت تھی جس کی وجہ سے عدالت عظمی نے ماتحت ججوں کی بھی سرزنش کر دی، اور اس دفعہ کو بھی مقدمہ سے خارج کر دیا؟ کیا کسی بھی غیر مسلم کا اپنے مذہبی مقاصد کے لیے قرآن حکیم کو استعمال کرنا قانونا جرم نہیں؟ اور کیا قادیانی غیر مسلم نہیں؟ کیا جناب چیف جسٹس ان دونوں حقیقتوں سے

واقف نہیں؟

(۳) اس قادیانی ملزم نے تفسیر صغیر کی تقسیم واشاعت کے ذریعے اپنے باطل اور جھوٹے مذہب کی تبلیغ کی اور یہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/سی کی خلاف ورزی ہے جس کے تحت قادیانی مذہب کا کوئی آدمی اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کرے تو وہ تین سال قید کا مستحق ہے اسی وجہ سے ماتحت عدالتوں نے اس قادیانی ملزم کے مقدمہ میں یہ قانونی دفعہ بھی شامل کی، کیا یہ بھی ایک واضح اور کھلی حقیقت نہیں ہے؟ اس میں ماتحت عدالتوں نے کون سے قانونی قاعدہ اور ضابطہ کی خلاف ورزی کی کہ عدالت عظمی ان پر برہم بھی ہوئی اور اس دفعہ کو بھی مقدمہ سے خارج کر دیا؟

(۴) اس قادیانی ملزم نے جو تفسیر صغیر تقسیم کی اس کے ٹائٹل پر اور آخری صفحہ پر مرزا بشیر الدین کے نام کے ساتھ معاذ اللہ "رضی اللہ عنہ" لکھا ہوا ہے جو تعزیرات پاکستان کی ۲۹۸/بی کی خلاف ورزی ہے کیونکہ اس کے اندر صاف لفظوں میں یہ صراحت موجود ہے کہ قادیانی اور لاہوری گروپ کا کوئی مرزائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے علاوہ کسی شخص کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لکھے گا تو اس کے لیے تین سال قید کی سزا مقرر ہے، قادیانی ملزم کے اسی جرم کی وجہ سے ماتحت عدالتوں نے اس مقدمہ میں یہ قانون بھی شامل کی اس میں کون سی چیز حقیقت کے خلاف تھی جس کی وجہ سے عدالت عظمی نے ماتحت عدالتوں کو جھاڑ بھی پلا دی اور یہ دفعہ بھی مقدمہ سے خارج کر دی؟

(۵) اس قادیانی ملزم نے تحریف شدہ تفسیر قرآن تقسیم کی جو پنجاب ہولی قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کی بھی خلاف ورزی ہے اور اس ایکٹ میں ترمیم کے بعد بھی وہ اپنا یہ جرم دہراتا رہا، پہلے اس ایکٹ کے تحت جرم کی سزا تین سال تھی اور ترمیم کے بعد اس جرم کی سزا سات سال قید کر دی گئی، ملزم کا یہ جرم چونکہ ترمیم سے پہلے بھی تھا اور ترمیم کے بعد بھی، اس لیے وہ دونوں ادوار کی سزاؤں کا مستحق قرار پاتا ہے پہلے دور کی سزا تین سال اور دوسرے دور کی سزا سات سال

،کتنے ہو گئے ؟۱۰سال۔

یہاں جناب چیف جسٹس قانون کی پٹری سے ہی اتر گئے اور ایک مستقل قانون قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کے وجود سے ہی انکار کر دیا، ایک مستقل قانون کی ہی نفی کر دی، میں نہیں جانتا کہ قانون کی اصطلاح میں ماہرین قانون اس حوالہ سے جناب چیف جسٹس سے کن الفاظ میں شکایت کر سکتے ہیں یہ جہالت ہے ؟نسیان ہے ؟لاعلمی ہے ؟چیٹنگ ہے ؟یا کوئی اور نام مگر کچھ نہ کچھ تو ہے جس کی وجہ سے ایک جرم کا پورا قانون ہی قادیانی ملزم کی نذر انداز کر دیا گیا۔

۱۹۹۳ء کے لارجر بینچ کے فیصلہ کو غیر مؤثر بنانے کی سازش!

بعض علمی حلقوں کا خیال ہے کہ سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے جس کا مقصد سپریم کورٹ کے اس پانچ رکنی لارجر بینچ کے فیصلے کو بے اثر کرنا ہے جو ۱۹۹۳ء میں دیا گیا تھا، گزشتہ صدی کے آخری عشرہ میں قادیانیوں نے سپریم کورٹ کے اندر اپیلیں دائر کی تھیں، جن میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ امتناع قادیانیت آرڈیننس کو ختم کیا جائے کیونکہ وہ ہماری مذہبی آزادی اور ہمارے مذہبی حقوق کے منافی ہے، اس کی وجہ سے ہمارے مذہبی حقوق سلب ہو رہے ہیں، یہ امتناع قادیانیت آرڈیننس جنرل محمد ضیاء الحق شہید مرحوم نے ۱۹۸۴ء میں نافذ کیا تھا جس میں مرزائیوں کے قادیانی اور لاہوری دونوں گروپوں پر پابندی عائد کی گئی تھی کہ وہ چونکہ آئین پاکستان کی روشنی میں کافر اور غیر مسلم اقلیت قرار پا چکے ہیں اس لیے اب انہیں مسلمانوں کی اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے اسلامی شعائر اختیار کرنے کا کوئی قانونی حق نہیں ہے، وہ قرآن پاک اور اسلامی شعائر کو اپنے مذہب کے لیے استعمال نہیں کر سکتے، جو قادیانی ایسا کرے گا وہ قانونی طور پر مجرم ہو گا اور اسے ۳/سال قید اور جرمانہ کی سزا دی جا سکے گی، اب وہ نہ اپنے عبادت خانہ کو مسجد کا نام دے سکتے ہیں، نہ ہی اپنی دعوت نماز کو اذان کا نام دے سکتے ہیں اور نہ دیگر شعائر اسلامیہ اختیار کر سکتے ہیں، یعنی مسلمانوں کی طرح حرمین الشریفین میں جا کر حج و عمرہ نہیں کر سکتے، کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی میں نہیں جا سکتے، قربانی دے نہیں سکتے، کسی مسلمان کو

سلام نہیں کر سکتے، یعنی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جو کام مذہبی طور پر مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے یہ آرڈیننس تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/بی کی صورت میں موجود بھی ہے اور نافذ بھی ہے، قادیانیوں نے اس آرڈیننس کے خلاف سپریم کورٹ کے اندر اپیل دائر کی اور مطالبہ کیا کہ یہ قانون ختم کیا جائے کیونکہ یہ قانون آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۰/اور آرٹیکل ۲۲/کے خلاف ہے، اور اس کی وجہ سے ہمارے مذہبی حقوق پامال ہو رہے ہیں، سپریم کورٹ نے اس کیس کی سماعت کے لیے ایک پانچ رکنی لارجر بینچ تشکیل دیا، جس نے اس کیس کی سماعت کی اور سماعت کے بعد قادیانیوں کی تمام اپیلیں خارج کر دیں اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ یہ آرڈیننس آئین پاکستان کی دفعہ ۲۰/اور دفعہ ۲۲/کے خلاف نہیں، بلکہ پاکستان کے مملکتی مذہب اسلام دستور پاکستان اور معروضی تقاضوں کے مطابق ہے اس لیے اس آرڈیننس کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

لاجر بینچ اور ڈبل بینچ کے فیصلوں میں تضاد!

یہ فیصلہ آج سے تقریباً ۳۰/سال پہلے ۱۹۹۳ء دیا جا چکا ہے اور آج تک اسی لارجر بینچ کے اس فیصلے کو ہی امتناع قادیانیت آرڈیننس اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/بی کی حتمی اور فیصلہ کن تشریح کا درجہ دیا گیا ہے، لیکن سپریم کورٹ کے ڈبل بینچ کا حالیہ فیصلہ اس فیصلے کے بالکل برعکس ہے، جس نے ایک بار پھر اس بحث کے دروازے کھول دیے ہیں۔ اس فیصلے میں قادیانیوں نے آئین کے آرٹیکل ۲۰/اور آرٹیکل ۲۲/کو اپنے مذہبی حقوق کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی تھی جسے لارجر بینچ نے مسترد کر دیا، لیکن اس ڈبل بینچ کے فیصلہ کے اندر جناب چیف جسٹس قادیانی ملزم کو نہ صرف ان آئینی دفعات کا فائدہ دے رہے ہیں بلکہ ریاستی اداروں اور عوام کو ترغیب بھی دے رہے ہیں کہ تم بھی ان کو ان آئینی دفعات کی سہولت دو، وہ اپنے مذہب کے نام پر جو کرنا چاہتے ہیں انہیں کرنے دو، لارجر بینچ اور ڈبل بینچ کے ان فیصلوں کا تضاد بہت سے خطرات اور خدشات کی گھنٹی بجا رہا ہے، میں جہاں تک جانتا ہوں میرے

خیال میں تو جس طرح چھوٹی عدالت اپنے سے بڑی عدالت کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتی اسی طرح کورٹ کا چھوٹا بینچ اپنے سے بڑے بینچ کے فیصلے کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتا، یہ بڑے بینچ کے فیصلے کو غیر مؤثر نہیں کر سکتا، لیکن یہاں تو اعلانیہ طور پر ایسا ہو رہا ہے، سپریم کورٹ کا پانچ رکنی لارجر بینچ یہ فیصلہ دے رہا ہے کہ نہ تو شعائر اسلامی قادیانیوں کا مذہبی حق ہے اور نہ آئینی دفعات قادیانیوں کو مذہبی آزادی کا حق دیتی ہیں، لیکن ہمارے موجودہ چیف جسٹس ڈبل بینچ کے ساتھ قادیانیوں کو آئینی دفعات کی روشنی میں پوری مذہبی آزادی دیتے ہیں، نہ صرف مذہبی آزادی دے رہے ہیں بلکہ ان کے فیصلہ سے ایسے لگتا ہے کہ شاید وہ قادیانیوں کو قرآن میں تحریف اور تحریف شدہ قرآن کی تقسیم کی آزادی بھی دیتے ہیں جس سے بعض علمی حلقے یہ خطرات و خدشات محسوس کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ کا ڈبل بینچ فیصلہ لارجر بینچ کے فیصلے کو غیر مؤثر کرنے کی سازش ہو سکتی ہے۔

مذہبی مقدمات جذبات کو ہوا دیتے ہیں؟ چیف جسٹس کا شکوہ!

جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلے کے اندر عالم اسلام کے مسلمانوں سے ایک شکوہ بھی کیا ہے،۔۔۔ وہ اپنے فیصلہ میں لکھتے ہیں کہ ہم افسوس کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ مذہب کے خلاف جرائم سے متعلق مقدمات کے اندر حقائق جذبات کو ہوا دیتے ہیں جیسا کہ اس کیس میں بھی ہوا ہے۔۔۔۔ لیکن جناب چیف جسٹس جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے جو مذہبی مقدمات قانون کے دائرہ میں آجاتے ہیں وہ صرف مذہبی مقدمات نہیں رہتے بلکہ آئینی اور ریاستی مقدمات بن جاتے ہیں اور ریاستی مقدمات میں مذہبی اور غیر مذہبی کی تفریق کرنا ریاست سے دشمنی کے مترادف ہوتا ہے، ان کی ایف آئی، آر، درج ہو جاتی ہے، جن مقدمات کو پولیس اپنی تحویل میں لے لیتی ہے، جو مقدمات عدالت کچہری تک پہنچ جاتے ہیں، جن پر قانونی کاروائی شروع ہو جاتی ہے، ان مذہبی مقدمات میں پبلک کبھی ایسی جذباتیت میں مبتلا نہیں ہوتی جو لاء آرڈر کا مسئلہ پیدا کر دے اور ریاستی امن و امان میں خلل پیدا ہو جائے، آسیہ مسیح

کا کیس آپ کے سامنے ہے جب تک قانون نے حرکت نہیں کی، پولیس حرکت میں نہیں آئی، تب تک عوام میں اشتعال بھی رہا اور جذباتیت بھی رہی، لیکن جب پولیس اور ریاست نے کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا، قانونی کاروائی شروع ہوگئی اس کے بعد عوام کا اشتعال بھی ختم ہوگیا اور جذباتیت بھی تھم گئی اور موجودہ کیس میں بھی جب تک پولیس نے اپنی کاروائی شروع نہیں کی خواہ وہ کاروائی کچھوے کی چال چلتی ہوئی ۴/سال بعد ایف، آئی، آر کی منزل تک پہنچی اس کاروائی کے شروع ہونے سے پہلے احتجاج بھی ہوئے، تقریریں بھی ہوئیں، احتجاجات بھی ہوئے، لیکن جب پولیس نے قانونی کاروائی شروع کردی اس کے بعد کسی قسم کے جذبات عوام کی طرف سے سامنے نہیں آئے، کسی نے اشتعال وانتشار کا راستہ نہیں اپنایا، کسی نے قانونی دائرہ کراس نہیں کیا، کسی نے دھرنا دے کر روڈ بلاک نہیں کیا، اس کے بعد تو مقدمے کا پورا پروسیجر قانونی طریقے سے چلتا رہا، کسی مقام پر بھی مدعی کی طرف سے غیر آئینی طرز اور غیر اخلاقی رویہ اختیار نہیں کیا گیا، جسے محض جذباتی رویہ قرار دے کر ملزم کی سہولت کاری کی جائے، اسے مظلوم قرار دے کر خصوصی رعایت اور ریلیف سے نوازا جائے، اور مدعی کو جارحانہ انداز میں شیٹ کال دے دی جائے، ہاں البتہ آپ کے اس غیر منصفانہ اور غیر ذمہ دارانہ فیصلہ کے بعد پوری قوم کے جذبات ضرور بھڑکے ہیں، کیونکہ آپ کا یہ فیصلہ اصول، قانون اور اخلاقی رویہ کے سراسر منافی ہے۔

جذبات انسانی فطرت کا حصہ ہوتے ہیں

اور آپ حضرات یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لیجئے کہ ہر عقلمند اور باشعور انسان اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ جذبات انسانی فطرت کا حصہ ہوتے ہیں، انہیں فطرت سے الگ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اگر تھوڑا سا گہرائی میں دیکھا جائے تو فطرت کے اندر اصل چیز ہی جذبہ ہے، جذبہ کہتے ہیں کسی فطری عمل میں جوش اور ولولہ کا پیدا ہوجانا، انسانی فطرت کے اندر محبت بھی ہے اور نفرت بھی، دوستی بھی ہے اور دشمنی بھی، غصہ بھی ہے اور تحمل بھی، غیرت بھی

ہے اور دیوثی بھی، جرأت بھی ہے اور بزدلی بھی، انکساری بھی ہے اور تکبر بھی، ظلم بھی ہے اور عدل بھی، انسانی فطرت خیر و شر سے مرکب ہے، اس کے ہر فطری عمل کے پیچھے جذبہ ہی اصل محرک ہوتا ہے، جذبہ ہی نفرت میں جوش پیدا کرتا ہے، اور جذبہ ہی محبت میں ولولہ لاتا ہے، جذبہ سے ہی غصہ بھڑکتا ہے، اور جذبہ ہی اس پر تحمل کا پانی ڈالتا ہے، جذبہ سے ہی غیرت بیدار ہوتی ہے، اور جذبہ ہی انسان کو دیوث اور بے غیرت بناتا ہے، جذبہ ہی انسان کے اندر حیوانیت پیدا کرتا ہے، اور جذبہ ہی انسان کو انسان بناتا ہے، جذبہ ہی انسان کو عدل و انصاف پر استقامت دیتا ہے، اور جذبہ ہی انسان کو ظلم اور ناانصافی پر برانگیختہ کرتا ہے، اس جذبہ کو انسان کہاں کہاں پر اور کیسے کیسے فطرت سے الگ کر سکے گا، جو نادان اور احمق جذبہ کو فطرت سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے، یا طاقت و قوت کے ذریعے جذبہ کو دبانے کی جسارت کرتا ہے، وہ نقصان اٹھاتا ہے یاد رکھیے! جذبہ کے بغیر نہ محبت میں گرمی آتی ہے اور نہ نفرت میں قہر پیدا ہوتا ہے، جذبہ کے بغیر نہ عدل کو عروج ملتا ہے اور نہ ظلم کو زوال، تمام فطری امور کے پیچھے جذبہ ہی محرک ہوتا ہے، جو ان کے اندر تحریک پیدا کر کے ان کے اندر شدت لاتا ہے، حیوانی جذبہ شر کے امور میں شدت لاتا ہے اور ملکوتی جذبہ خیر کے امور میں شدت پیدا کرتا ہے، یعنی انسان کے اندر دونوں قسم کے جذبے موجود ہیں شر کی قوتوں کا اپنا جذبہ ہے اور خیر کے امور کا اپنا جذبہ ہے، انسان کے اندر ہی خیر اور شر یا حیوانی اور ملکوتی جذبوں کے درمیان جنگ جاری رہتی ہے، کہیں شر کا جذبہ غالب آجاتا ہے تو قاضی ظالم بن جاتا ہے اور کہیں خیر کا جذبہ غالب رہتا ہے تو قاضی عادل ہو جاتا ہے، جذبہ کے بغیر انسان انسان نہیں شجر ہوتا ہے اور دل دل نہیں حجر ہوتا ہے۔

جرم اور جذبہ کی جنگ میں جذبہ کا ساتھ دینا ضروری ہے!

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ غصہ ہو یا غیرت، ظلم ہو یا انتقام، یہ سب انسانی فطرت کا حصہ ہیں، اور جذبہ ان کو سپورٹ کرتا ہے، ہم کسی بھی کام کرنے والے سے کہتے ہیں ناں کہ یہ کام پورے

جذبے سے کرو، جذبہ سے پڑھائی کرو، جذبہ سے جہاد کرو، جذبہ سے خدمت کرو، جذبہ سے محنت کرو، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ کام کرو اور اس کام کو اپنے جذبے کی سپورٹ دو، غصہ جذبے کو ہوا نہیں دیتا بلکہ جذبہ غصے میں آگ بھڑکاتا ہے، غیرت جذبہ میں ہوا نہیں بھرتی بلکہ جذبہ غیرت کو آتش فشاں بنا دیتا ہے، مذہبی جرائم جذبہ کو ہوا نہیں دیتے بلکہ جذبہ مذہبی جرائم کے خلاف ایمان کو حرارت دیتا ہے، اور غیرت میں شدت پیدا کرتا ہے، خیر جذبہ کو ہوا نہیں دیتی بلکہ جذبہ خیر میں اسپرٹ پیدا کرتا ہے، شر جذبہ کو ہوا نہیں دیتا بلکہ جذبہ شر کو پختہ اور مضبوط کرتا ہے، اسی لیے تمام فطری امور کو کنٹرول اور اعتدال میں رکھنا ضروری ہے تاکہ جذبہ نہ ان امور کو اعتدال سے کمال تک لے جاسکے اور نہ ان امور کو اعتدال سے زوال تک لے جاسکے، شر کے جذبہ کو عروج ملے گا تو خیر کے جذبہ پر زوال آئے گا اور اگر خیر کے جذبہ پر عروج آئے گا تو شر کا جذبہ سرنگوں ہوگا جس امر کی محبت یا نفرت دل میں غالب ہوگی اسی کا جذبہ غالب رہے گا، دل میں مال کی محبت غالب ہے تو اسی کا جذبہ غالب رہے گا اور اگر دل کے اندر دین کی محبت کا غلبہ ہے تو دین کا جذبہ غالب رہے گا، خیر اور شر سے متعلق انہی فطری امور کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے خاندان، برادری، قبیلہ، سماج اور ریاست کے اندر قانون سازی کی جاتی ہے ،اس کے لیے اصول وضوابط وضع کیے جاتے ہیں تاکہ خاندان قبیلہ سماج اور ریاست کے اندر ایسے اسباب ہی پیدا نہ ہوں ایسے جرائم ہی جنم نہ لیں، جو غصہ نفرت یا غیرت کا ماحول پیدا کرنے والے ہوں اور لوگوں کے جذبات اس ماحول کو گرمادیں، دنیا کی کوئی بھی مہذب سوسائٹی یا دنیا کی کوئی بھی باشعور ریاست لوگوں کے جذبات کو کنٹرول کرنے کی قانون سازی نہیں کرتی، بلکہ اس ماحول کو روکنے کے لیے قانون سازی کرتی ہے جس ماحول میں جذبات کی آگ سماجی یا ریاستی امن کو تباہ کرسکتی ہے یا اسے خطرہ میں ڈال سکتی ہے، ریاست ایسے جرائم کو روکنے کی کوشش کرتی ہے جو جرائم ملکی فضا اور قومی ماحول کے لیے خطرات پیدا کرسکتے ہیں، چوری، ڈکیتی، راہزنی، اغوا، قتل، بھتہ وصولی، ناجائز قبضہ، غصب، رشوت، کرپشن، فتنہ وفساد، حق تلفی

وغیرہ ایسے جرائم ہیں جو معاشرہ اور ریاست کے اندر بگاڑ پیدا کر سکتے ہیں اور انہی کی روک تھام کے لیے ریاست قانون سازی کرتی ہے، اصول و ضوابط بناتی ہے اور اسی مقصد کے لیے ریاست سیکیورٹی ادارے قائم کرتی ہے، عدالتوں کا جال پھیلاتی ہے، جج قاضی جسٹس اور مجسٹریٹ مقرر کرتی ہے، ریاست اور ریاستی ادارے ایک جذبہ لے کر جرائم کے خاتمہ کی جدوجہد کے لیے نکلتے ہیں، گویا یہ جذبہ اور جرائم کے درمیان ایک جنگ ہوتی ہے، ریاست کا جذبہ ہوتا ہے اور مجرم کا جرم، ریاست جرم کے خلاف پورے ملک میں اپنی رٹ قائم کرنے کے لیے اپنی پوری قوت استعمال کرتی ہے، اپنی انتظامیہ کی قوت، اپنی انٹیلی جنس قوت، اپنی سیکیورٹی قوت، اپنی عدلیہ کی قوت سب کو جرم کے خلاف کھڑا کرتی ہے، جذبہ اور جرم کے درمیان یہ جنگ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی، اگر ریاستی ادارے اپنی اپنی ذمہ داری آئین و قانون اور امانت و دیانت کے ساتھ پوری کریں۔ اب جذبہ اور جرم کے درمیان اس جنگ میں اگر کوئی پاگل اور نادان جرم کو سپورٹ کرے۔ مجرم کو رعایت اور ریلیف دے اور جذبہ کو کچلنے کی کوشش کرے۔ جذبہ کو طاقت و منصب کے زور پر یا دھمکی نما نصیحت کے بل بوتے پر دبانے کی جسارت کرے تو یہ عمل فطری اصولوں کے بھی خلاف ہے، اخلاقی ضابطوں کے بھی منافی ہے، اور ریاستی آئین و قانون سے بھی بغاوت ہے۔ ریاست کے اعلیٰ منصبی ذمہ داروں کو اس طرز و رویہ سے دور رہنا چاہیے۔

کتے کھول کر پتھروں کو باندھ دینا پاگل پن ہے

میں جناب چیف جسٹس کو پوری خود اعتمادی کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہ آئین و قانون کی روشنی میں جرائم کے خاتمہ کی ذمہ داری قبول کریں، اس کی ضمانت دیں، اور اپنے فیصلوں کے ذریعے اس کا عملی ثبوت فراہم کریں تو جذبات کے سارے کے سارے دروازے خود بخود بند ہو جائیں گے، جرم کے وحشی کتے کا پٹا کھول کے اسے آزاد کر دینا اور جذبہ کے نہتے مسافر کو وارننگ دینا کہ غصہ نہ کرنا، دفاع کے لیے ہاتھ آگے نہ بڑھانا، خوف اور دہشت کا اثر

بھی چہرے پر نہ لانا، کتا تیرے کپڑے پھاڑ دے تو مزاحمت نہ کرنا وہ تیرا بدن نوچ ڈالے تو جذبات کا مظاہرہ نہ کرنا، وہ تجھے بھنبھوڑے تیرا خون پی جائے تو آئین کا ڈنڈا اور قانون کا پتھر نہ اٹھانا، نہیں تو حالات خراب ہو جائیں گے، آخر کتے کے بھی کچھ آئینی حقوق ہیں، یہ فلسفہ نہ عقل کا اصول ہے اور نہ فطرت کا ضابطہ ہے، عقل اور فطرت دونوں کا تقاضا ہے کہ اے پاگل انسان! وحشی کتے کو باندھ، فطرت بھی یہی کہتی ہے، کہ عقل کے اندھے! پہلے اس خونی درندہ کے گلے میں پٹا ڈال، لیکن یہاں تو گنگا ہی الٹی بہتی ہے، یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے، جرم کا وحشی کتا آزاد ہے، قانون شکنی کا خونی بھیڑیا سرعام دندناتا پھرتا ہے، اور جذبہ کے نہتے مسافر کو طاقت و دہشت کے ذریعہ منصب و اختیار کے ذریعہ کرسی و اقتدار کے ذریعہ میڈیا کی یلغار کے ذریعے قاضی کی للکار کے ذریعہ وحشی کتے اور خونی درندے کے رحم و کرم پر چھوڑا جا رہا ہے، خدا کے لیے کوئی انصاف کا ذمہ دار، کوئی عدل کا ٹھیکیدار مجھے یہ فلسفہ سمجھا دے کہ اگر یہ انصاف ہے تو ظلم کس بلا کا نام ہے، اگر یہ عدل ہے تو جبر کہاں آباد ہے؟ اگر یہ ایمان و ضمیر کی آواز ہے تو خود غرضی اور مفاد پرستی کی نیلامی کہاں ہوتی ہے؟ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ہم فارسی ادب کی کتابوں میں پڑھتے تھے، سعدی نے ۴۰/سال تک زمین کی سیاحت کی تھی اس سیاحت کے دوران وہ ایک بستی کے قریب سے گزرے، مسافر اور اجنبی تھے، بستی کے آوارہ کتوں نے ایک مسافر اور اجنبی کو دیکھا تو وہ جمع ہو گئے، اجنبی مسافر پر ویسے بھی کتے بہت جمع ہو جاتے ہیں، کتے سعدی رحمۃ اللہ علیہ پر بھونکنے لگے اور اس کی طرف لپکے، سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے زمین سے پتھر اٹھانے کی کوشش کی تاکہ کتوں کو مار کر بھگائیں مگر وہ پتھر زمین کے اندر دھنسے ہوئے تھے، شیخ سعدی سے وہ دھنسے ہوئے پتھر نہ اٹھائے گئے تو حسرت سے فرمایا: اس شہر کے لوگ بھی عجیب ہیں، باندھنے والی چیزوں یعنی کتوں کو کھلا چھوڑا ہوا ہے اور وہ چیز جو کھلی چھوڑنی چاہیے تھی یعنی پتھر اس کو باندھ رکھا ہے، ہمارا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، جرم کا کتا آزاد ہے اور قانون کا پتھر باندھا ہوا ہے۔

جذبات کو ہوا مذہب نہیں لاقانونیت دیتی ہے

اور پھر جناب چیف جسٹس! آپ کا یہ فلسفہ اور دعوی بھی سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کہ جذباتیت صرف مذہبی کیسوں اور مذہبی مقدمات میں پائی جاتی ہے اور صرف مذہبی مقدمات ہی جذبات کو ہوا دیتے ہیں، میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جن گھروں کے افراد ناحق قتل کر دیے جاتے ہیں ان گھروں میں کیا اشتعال اور جذباتیت نہیں آتی؟ کیا وہ گھر والے اور ان کے خاندان و برادری والے مشتعل اور جذباتی نہیں ہوتے؟ یہ جذباتیت تو بسا اوقات دو گروہوں یا دونوں خاندانوں کے بیسیوں لوگوں کا خون پی جاتی ہے، اور اکثر اوقات تو ان گروہوں کی کراس فائرنگ میں کئی بے گناہ لوگ بلاوجہ ہی مارے جاتے ہیں، کسی معصوم اور پاکباز عورت کی عزت و آبرو لٹ جائے تو کیا وہ جذباتی نہیں ہوگی؟ خدانخواستہ کسی کا بچہ اغوا ہو جائے تو اس فیملی پر جذباتیت طاری نہیں ہوگی؟ کسی کا گھر لٹ جائے تو وہ جذباتی نہیں ہوگا؟ بھتہ وصولی کے گینگ جن لوگوں کی محنت کی کمائی سے دہشت کے زور سے یا گن پوائنٹس پر چھین کے لے جاتے ہیں کیا ان کے اندر جذبات کی آگ نہیں بھڑکتی ہوگی؟ ہو سکتا ہے جذباتیت کی یہ چھوٹی چھوٹی وارداتیں پڑھنے اور سننے کا آپ کے پاس وقت نہ ہو؟ کیا ڈاکٹروں کی لاپرواہی اور سنگ دلی کی وجہ سے جو مریض مر جاتے ہیں ان کے لواحقین جو ہسپتالوں میں جا کر توڑ پھوڑ کرتے ہیں وہ اشتعال اور جذباتیت نہیں ہے؟ پولیس تشدد یا پولیس مقابلہ میں مارے جانے والے کو اس کے گھر والے، خاندان والے، کنبہ برادری والے تھانہ سے باہر، چیف منسٹر ہاؤس کے سامنے، گورنر ہاؤس کے گیٹ پر، جو دھرنے دیتے ہیں وہ جذباتیت نہیں ہے؟ کیا ریاستی جبر کے ستائے ہوئے یا سیاسی انتقام کا نشانہ بننے والے سرکاری ملازمین سڑکوں اور چوکوں میں دھرنے دے کر جو اپنے مطالبات منوانے کے لیے اس نظام زندگی معطل کر دیتے ہیں وہ جذباتیت نہیں ہے؟ کیا پروفیسر، ڈاکٹر، وکیل، ٹیچر، بلدیہ، ملازمین، مزدور، ٹرانسپورٹر اپنے مطالبات منوانے کے لیے یا مزید مراعات حاصل کرنے کے لیے احتجاج نہیں کرتے؟ ہڑتال نہیں کرتے؟ شٹر ڈاؤن

نہیں کرتے؟ پہیہ جام نہیں کرتے؟ میرے ملک کا کون سا طبقہ ہے جو اپنے حقوق اور مطالبات کے لیے احتجاج نہیں کرتا؟ مظاہرے نہیں کرتا؟ اور کیا یہ جذباتیت نہیں ہے؟

مشرقی خواتین، مغربی تہذیب کے لیے سڑکوں پر!

کیا اس ملک کی چند ماڈرن عورتیں عالمی استعماری قوتوں کے اشارہ پر ہر سال اپنے مغربی تہذیبی حقوق کے لیے چوکوں میں جمع ہو کر دھواں دھار تقریریں نہیں کرتیں؟ جو مغربی تہذیب کے بے ہودہ اور فرسودہ کلچر کو اپنے ملک میں لانے اور پھیلانے کی شرمناک کوششوں میں مصروف ہیں؟ کیا وہ "میرا جسم میری مرضی" کے حیا سوز نعرے بلند نہیں کرتیں؟ کیا وہ "اپنا بستر خود گرم کریں گی" کہ شرمناک نعرے نہیں لگاتیں؟ کیا یہ جذباتیت نہیں ہے؟ بلکہ مغرب زدہ ان چند مشرقی عورتوں کا یہ رویہ اور ان کا یہ طرز ان تمام لوگوں کے لیے شرم کا باعث ہے جو پاکستان کو اسلامی ریاست مانتے ہیں اور جو اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب تسلیم کرتے ہیں اور خاص طور پر ریاست کے وہ ارباب اقتدار و اختیار جو ان الفاظ کے ساتھ اپنے منصب اور عہدہ کا حلف اٹھاتے ہیں کہ: میں مسلمان ہوں، اللہ کی توحید اور اس کی حاکمیت پر ایمان رکھتا ہوں، تمام آسمانی کتابوں کو برحق مانتا ہوں، قرآن پاک کو اللہ کی آخری کتاب مانتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر کامل ایمان رکھتا ہوں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، میں قیامت پر ایمان رکھتا ہوں، اور قرآن و سنت کے تمام احکامات اور ان کی تمام تعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں، میں خلوص نیت کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ میں پاکستان کا بھی حامی و وفادار رہوں گا اور اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کی بھی پوری کوشش کروں گا جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے۔

وہ ارباب اقتدار و اختیار جو ان الفاظ کے ساتھ اپنے عہدے کا حلف اٹھاتے ہیں کیا ان کے اندر اتنی غیرت و شرم بھی نہیں ہے کہ وہ اپنے حلف کی پاسداری کر سکیں اور ان مغرب زدہ مادر پدر آزاد خواتین کو ریاست کے مملکتی مذہب کے دائرہ میں بند رکھ سکیں؟ جناب چیف

جسٹس اس سے زیادہ شرمناک حقیقت اور کیا ہوگی کہ ایک مشرقی عورت، میری قوم کی بیٹی میری مسلمان بہن عالمی شیطانوں کے بہکاوے میں آکر پاکستان جیسی اسلامی ریاست کے چوک میں کھڑی ہو کر اپنے لیے مغربی تہذیب کا حق مانگتی ہے، اپنے لیے مغرب کی برہنہ و عریاں ثقافت کا حق مانگتی ہے تو کہا جاتا ہے یہ اس کا رائٹ ہے یہ اس کا حق ہے، اور ایک مشرقی ملا، ایک پاکستانی مسلمان، ریاست کا ایک محب وطن شہری، ایک نظریہ پاکستان کا حامی پاکستانی اپنی اسلامی ریاست کے اندر اپنے ریاستی آئین و دستور کے مطابق اپنی ہی حکومت اور اس کے ریاستی اداروں سے ناموس دین کے تحفظ کا تقاضا کرتا ہے، ناموس رسالت کے تحفظ کی بھیک مانگتا ہے، عظمت قرآن کے تحفظ کا مطالبہ کرتا ہے، ناموس صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کے تحفظ کی فریاد کرتا ہے، اپنے اسلامی شعائر کی حفاظت کے لیے قانون اور عدالت کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے تو اسے جواب ملتا ہے کہ تو دہشت گرد ہے، تو انتہا پسند ہے، تو بنیاد پرست ہے، تو دقیانوس ہے، تو قدامت پرست ہے، تو ترقی اور نئی روشن خیالی کا دشمن ہے۔ کیوں؟ اسلامی ریاست کے اندر اسلام سے محبت اتنا بڑا جرم کیوں ہے؟ ایک آئینی ریاست کے اندر اس کے آئین و قانون کے ساتھ وفاداری اتنا بڑا گناہ کیوں ہے؟ کہ اس کے قانونی مطالبات پر بھی اس کے ملک کا چیف جسٹس اسے حکم دیتا ہے کہ جذباتیت مت پیدا کر؟ میں پرامن طریقے سے قانون کا راستہ بھی اختیار کروں تو جذباتیت اور وہ چند مغرب زدہ خواتین چوک میں کھڑی ہو کر ملک کے آئین، ملک کے قانون، ملک کے نظریہ اور ملک کے مملکتی مذہب کی دھجیاں بکھیر دیں تو ان کا رائٹ؟ ان کا حق؟ ان کی اظہار رائے کی آزادی؟ نہیں چیف جسٹس ایسا نہیں ہونا چاہیے؟ یہ ملک کے آئین و قانون اور قوم کی سلامتی کے ساتھ سنگین مذاق ہے، یہ کھلی جانبداری ہے، یہ استعماری قوتوں کے سامنے مرعوبیت اور بزدلی ہے، یہ شیطانی قوتوں کے سامنے اپنے آپ کو نڈر کرنا ہے، جو کسی مسلمان کا شیوہ نہیں، کسی بہادر اور غیور پاکستانی کا شیوہ نہیں، یہ عدل اور امن کے کسی علمبردار کو زیب نہیں دیتا، یہ ایک کمزور ایمان والے ضعیف

مسلمان کی فریاد ہے، یہ ایک محب وطن پاکستانی کے درد دل کی پکار ہے اگر آپ کو اس کی طرف توجہ دینے کی فرصت مل سکے تو آپ کا احسان ہوگا۔

ریاست کی سب سے بڑی جذباتیت سیاسی وابستگی ہے

میں عرض کر رہا تھا کہ جب حقوق، مطالبات، مراعات کے نام پر احتجاج مظاہرے، جلوس، ریلیاں، دھرنے، شٹر ڈاؤن، پہیہ جام پاکستان کا ہر طبقہ کرتا ہے، ہر شعبہ کرتا ہے، تو جذباتیت کا طعنہ اور الزام صرف مذہب کو کیوں؟ ملک کا کون سا طبقہ ہے جس کی حق تلفی ہو رہی ہو، جو ریاستی اداروں، وڈیروں، لٹیروں، بھتہ خوروں، کہ ظلم و جبر کا شکار ہو، جس کے لیے قانون اور عدل کے دروازے بند کر دیے گئے ہوں یا وہ اپنے ناجائز مطالبات منوانا چاہتا ہو غیر قانونی حقوق چاہتا ہو، اور وہ جذباتی نہ ہو؟ یا جذبات و اشتعال کا استعمال نہ کرتا ہو، میری قوم کا مزاج بنا دیا گیا ہے کہ اپنے جائز اور قانونی حقوق سے بھی محروم رہو گے جب تک اپنی پاور شو نہ کرو، جب تک اپنی طاقت کا مظاہرہ نہ کرو، بلکہ آج تو جذباتیت کا سب سے بڑا میدان سیاست ہے، سیاسی جماعتوں اور سیاسی لیڈروں سے وابستگی نے جذباتیت کی انتہا کر دی ہے، سیاسی جماعتوں کے باہمی تصادم سے سینکڑوں افراد اب تک ہلاک ہو چکے ہیں، کیا چار چار مہینے کے دھرنے دے کر پوری ریاست کے نظام کو جام کرنے والے مذہبی لوگ تھے؟ کیا سینٹ اور قومی و صوبائی اسمبلیوں میں جو مچھلی بازار یا مویشی منڈی لگتی ہے وہ جذباتیت نہیں ہے؟ کیا میڈیا چینلز کے ٹاک شوز میں جو کچھ ہوتا ہے وہ جذباتیت نہیں ہے؟

ججوں کے ساتھ ناروا رویہ کے خلاف احتجاج

جناب چیف جسٹس! اگر آپ ناراضگی محسوس نہ فرمائیں تو میں آپ کو وہ وقت بھی یاد دلانا چاہوں گا جب اس وقت کی فوجی آمریت نے، صدر پرویز مشرف نے عدلیہ کی آزادی پر شب خون مارا تھا، عدلیہ کی خود مختاری پر حملہ کیا تھا، اور آپ ہی کی اس مسند پر بیٹھے ہوئے سپریم

کورٹ کے چیف جسٹس جناب افتخار چوہدری اپنے منصب سے الگ کر دیے گئے تھے تو پورے ملک کے اندر وکلاء نے تحریک چلائی اور علماء سمیت تمام سماجی طبقات وکلاء کے ساتھ کھڑے ہوئے پورے ملک کا نظام زندگی معطل ہوا، روڈ بلاک کر دیے گئے، ٹرانسپورٹ بند کر دی گئی ،عدالتیں ویران ہوگئیں، کیپیٹل سٹی اسلام آباد چاروں طرف سے بند کر دیا گیا، عوام کئی دنوں تک سڑکوں اور اڈوں پر رلتی رہی، کراچی میں وکلا کے خون سے ہولی کھیلی گئی، لاہور سے میاں محمد نواز شریف کی قیادت میں وکلا عوام اور دوسرے طبقات ریلی لے کر اسلام آباد کے لیے نکلے ،خدا کے لیے اپنے آپ سے سوال کیجئے کیا یہ جذباتیت نہیں تھی؟ کیا اس سے ملک کا امن و امان متاثر نہیں ہوا؟ کیا اس سے پوری قوم کا کاروبار زندگی متاثر نہیں ہوا؟ ہم علماء اس وقت آپ کے ساتھ کھڑے تھے، ہم نے آپ کی اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا، صرف اس لیے کہ ہم پوری دیانت داری کے ساتھ سمجھتے تھے کہ عدلیہ کے وقار اور اس کی خود مختاری پر حرف نہیں آنا چاہیے، حالانکہ ہم جانتے تھے کہ عدلیہ بھی پوری طرح آزاد اور خود مختار نہیں ہے ،نظریہ ضرورت اور وسیع تر قومی مفاد کی تلوار اس کے سر پر ہمیشہ لٹکی رہتی ہے لیکن پھر بھی ہم عدلیہ کے بچے کھچے اختیار کو بچانا چاہتے تھے، اور آپ کے ساتھ کھڑے تھے، میں آپ سے یہ مطالبہ نہیں کروں گا کہ اس وقت ایک ادارہ کی سلامتی کا مسئلہ تھا آج پوری امت مسلمہ کے عقیدہ اور مفاد کا مسئلہ ہے، آپ امت مسلمہ کے ایک فرد کی حیثیت سے امت کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، میں آپ سے یہ تقاضا بھی نہیں کروں گا کہ آپ ایک محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے نظریہ پاکستان کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، جناب چیف جسٹس میں اپ سے ایک پاکستانی شہری کی حیثیت سے صرف یہ مطالبہ کرتا ہوں میری ریاست کا آئین اور قانون مجھے جو حق دیتا ہے بس میرا وہ حق مجھے دے دیجیے اور قادیانیوں کو جو حق ریاست کا آئین اور قانون دیتا ہے وہ انہیں دے دیجیے ،لیکن انصاف کی مسند اعلی پر بیٹھ کر مجھے حق کی بجائے نصیحت کا لولی پاپ اور اسے حق کی بجائے ریلیف اور رعایت آپ نہیں دے سکتے، یہ آپ کے منصب کے شایان

شان نہیں ہے، آپ مجھ پر جذباتیت کے فقرے کس سکتے ہیں، مجھے انکار نہیں لیکن جذباتیت کا دائرہ صرف مذہب تک محدود کر دینا حقیقت سے آنکھیں پھیر لینے کے مترادف ہے، یہ کسی صورت بھی حقیقت پسندی نہیں ہے۔

مذہب کے خلاف جذباتیت کا پروپیگنڈہ مغربی شیطانوں کا ایجنڈہ ہے!

جناب چیف جسٹس یہی مغربی واشتراکی قوتوں کا ایجنڈا ہے، یہی مذہب کو بدنام کرنے کی شیطانی واستعماری سازش ہے، یہی ابلیسی قوتوں کا پروپیگنڈہ ہے، یہی اسلام دشمنوں کی منظم اور عالمگیر مہم ہے، جسے ہمارے حکمران، ہمارے سیاستدان، ہمارے جج، ہمارے صحافی و اینکر اور ہمارے لبرل و سیکولر حلقے بڑے منظم اور ڈرامائی انداز میں آگے بڑھا رہے ہیں، اگر ریاست کا ہر طبقہ اپنے حقوق اور اپنے مفاد کے لیے جذباتیت کا شکار ہو کر احتجاج بھی کر سکتا ہے مظاہرے بھی کر سکتا ہے، دھرنے بھی دے سکتا ہے، قانونی راستے بھی اختیار کر سکتا ہے، تو پھر جذباتیت کا لیبل صرف مذہب پر کیوں ہے؟ اس لیے کہ عالمی سامراجی قوتیں یہی چاہتی ہیں کہ اس لیبل کے ذریعہ اسلام اور ان مسلمانوں کو بدنام کیا جا سکے جو اپنے اندر ملی غیرت اور دینی حمیت رکھتے ہیں، ان کی غیرت حمیت ان شیطانی قوتوں اور ان کے ایجنٹوں کو اس لیے سمجھ نہیں آتی کہ ان بے غیرتوں کی ڈکشنری میں غیرت کا لفظ ہی موجود نہیں ہے اور جن کی ڈکشنری میں غیرت کا لفظ نہیں ہے ان کی رگوں میں غیرت کا خون کہاں ہوگا؟ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ان شیطانی سامراجی قوتوں کے مکروہ پروپگنڈہ کا شکار ہمارے بھی بہت سے لوگ ہو گئے ہیں، ہمارے بھی بعض دانشور اپنی جہالت یا کم عقلی یا خود غرضی کی وجہ سے ان شیطانوں کے جال میں پھنس گئے ہیں، استعماری قوتوں کے ابلیسی پھندہ میں الجھ گئے ہیں، ہمارے بعض جج، بعض جرنیل، بعض سیاستدان، بعض صحافی و اینکر، بعض انجینئر و قانون دان اور بعض ڈاکٹر پروفیسر

بھی بدقسمتی سے اس عالمی وبائی مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں، حالانکہ ہمارا معاشرہ اور ہماری ریاست اس حقیقت پر شاہد و گواہ ہے کہ جذباتیت صرف مذہبی کیسوں میں ہی نہیں پائی جاتی بلکہ ہر اس کیس کے اندر پائی جاتی ہے جس کیس میں ظلم اور حق تلفی جیسے جرائم و نقائص پائے جاتے ہوں، جب کیس میں حقدار کو حق سے محروم کر دیا گیا ہو، جب عدالت میں حقدار کے حصے میں نصیحت اور غاصب کے حصے میں ریلیف آئے، جب حقدار کے لیے حق اور عدل تک رسائی ناممکن بنا دی جائے، جب طاقت و اقتدار اور منصب و اختیار کے ذریعے انصاف کو سینکڑوں فائلوں کے نیچے دبا دیا گیا ہو، پھر وہاں جذباتیت نہیں آئے گی تو کیا امن کے پیڑ اگیں گے؟ شانتی کی فاختہ چہکے گی؟ چین کی بانسری بجے گی؟ سکھ کا طوطی بجے گا؟ نہیں! کسی بھی معاشرہ اور ریاست کے اندر امن کا ضامن عدل ہوتا ہے۔

عدالتی سسٹم میں اصلاح اور تبدیلی کی ضرورت ہے

اس لیے جناب چیف جسٹس! جذباتیت مذہب کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ آپ کے ناکارہ اور بے ہودہ عدالتی سسٹم کا مسئلہ ہے، خدا کرے کہ میری بات غلط ہو، لیکن بظاہر ہمیں جو عدالتی سسٹم نظر آرہا ہے یہ تو جذبات کی آگ پر تیل چھڑکنے کے مترادف ہے یا پھر تیل کے کنویں کو آگ دکھانے کے مترادف ہے، کیونکہ جہاں قاتل اپنی ہی ریاست کے اندر سالہا سال سے مفرور ہوں گرفتار نہ ہو رہے ہوں، اور اگر گرفتار ہو جائیں تو ہمارے کچھوے کی چال چلتے عدالتی سسٹم کو انکوائری اور چالان مکمل ہونے تک دو تین سال لگ جاتے ہیں، چالان مکمل ہو جائے تو شہادتوں کا مرحلہ دو تین سال کھا جاتا ہے، شہادتیں مکمل ہو جائیں تو پھر گواہوں پر جرح اور وکیلوں کی بحث کا مسئلہ شروع ہو جاتا ہے اور سات، آٹھ سال کے بعد عدالت کا فیصلہ سامنے آتا ہے، کہ شہادتیں اور ثبوت ناکافی ہونے کی وجہ سے ملزم کو باعزت بری کیا جاتا ہے، اب اس عرصہ میں کون کون بکتا ہے؟ کس کس کی جیب گرم ہوتی ہے؟ کس کس کے اکاؤنٹس کا حجم بڑھتا ہے؟ وہ یا اوپر والا جانتا ہے یا اوپر والے جانتے ہیں، لیکن جناب چیف جسٹس آپ نے

کبھی سوچا کہ اس طویل اور غلیظ سسٹم کی وجہ سے اس ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے جس کی آنکھوں کے سامنے اس کا جوان بیٹا قتل ہوا، قاتل گرفتار ہوا، شناخت پریڈ میں اس کی شناخت بھی ہو گئی، لیکن آگے چل کے کہاں گھپلا ہوا کہ وہ عدالت سے باعزت بری ہو گیا، یعنی غفلت آپ کے سسٹم میں، رشوت آپ کے سسٹم میں، سفارش آپ کے سسٹم میں، دباؤ آپ کے سسٹم میں نقص اور کمزوری آپ کے سسٹم میں، شعوری یا غیر شعوری طور پر ظلم و ناانصافی اور حق تلفی آپ کے سسٹم میں، اور جذباتیت کا الزام مذہب پر؟ کتنا آسان ہے اپنا سارا بوجھ کسی دوسرے کے کندھے پر ڈال دینا؟

قانون کے راستہ پر چلنے والوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے

جناب چیف جسٹس! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہر قوم اور ہر طبقہ کے اندر ایک جذباتی عنصر ہوتا ہے، ہو سکتا ہے اس کا مطالبہ بھی صحیح ہو اور اس کا جذبہ بھی خالص ہو، اس کا مقصد بھی سچا ہو اور اس کی منزل بھی اچھی ہو لیکن اس مقصد اور منزل تک پہنچنے کے لیے اس کی پالیسی اور طریقہ غلط ہو لیکن اس جذباتی گروہ کو راہ راست پر لانے کے لیے اس قوم اور طبقہ کے اکابرین جو محنت کرتے ہوں اور ایک طویل جدوجہد کے بعد کچھ اصول اور قانون دے کر اسے راہ راست پر لے آتے ہوں، پھر اس جذباتی گروہ سے وہ اصول اور قانون چھین لیے جائیں تو نتائج کیا نکلتے ہیں؟ اس کے نتائج دو طرفہ تباہی کی صورت میں نکلتے ہیں، ناموس دین، ناموس رسالت، ناموس قرآن اور ناموس صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم امت مسلمہ کے بڑے حساس مسائل ہیں، یہ کسی علاقہ اور ریاست کے مسائل نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے مسائل ہیں، ان مسائل کا تعلق ہر مسلمان کی غیرت و حمیت سے ہے، ان مسائل میں جو جذباتی وابستگی پائی جاتی ہے اس سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے، ان مسائل میں مسلمانوں نے توہین دین یا توہین رسالت کرنے والے غیر مسلموں کو قتل بھی کیا ہے اور خود پھانسی بھی چڑھے ہیں، ہمارے علماء نے اس مسئلہ پر طویل جدوجہد کی ہے کہ ان مسائل کو شریعت سے آگے قانونی

مسائل بھی بنا دیا جائے تاکہ عمومی جذباتیت کا ماحول ختم ہوا، اور توہین کرنے والے مجرم کو ریاست خود سزا دے ،اور کوئی عام آدمی قانون کو ہاتھ میں نہ لے سکے، اسی مقصد کے لیے ہمارے علماء نے قانون بنوائے اور ریاست کی طرف سے قانون جاری و نافذ کروائے جس کی وجہ سے عمومی جذباتیت کے خطرات بہت حد تک ٹل گئے۔

اب قوانین موجود ہیں اگر ہماری پولیس، ہمارے انکوائری کمیشن، ہماری ریاستی انتظامیہ، اور ہماری عدالتیں اور جج قانون کی پاسداری کریں، ضابطہ کے مطابق ایف، آئی، آر، درج کرنے میں تاخیری حربے اختیار نہ کریں، پبلک اور عوام کو ایسے واقعات میں قانون کا راستہ اختیار کرنے کی ترغیب دیں، قانون کا راستہ اختیار کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کریں، اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے کی بجائے آئین اور قانون کے مطابق فیصلے کریں، مدعی کو شٹ اپ کال دینے کی بجائے مجرم کو سزا دیں، تو میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ دعوی کر سکتا ہوں کہ جرم بھی ختم ہوگا اور جس جذباتیت کا جناب چیف جسٹس شکوہ کر رہے ہیں اس جذباتیت کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا، لیکن اگر میرے ارباب اقتدار و اختیار ایسے کیسوں میں مجرموں کو ریلیف دیتے رہے، ان مجرموں کو رات و رات یورپ کی طرف شفٹ کرتے رہے، اور ان مجرموں کو قانون شکنی اور توہین قرآن و توہین رسالت کے چور قانونی راستے دیتے رہے تو پھر مذہبی جذباتیت کا راستہ بند کرنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ یہ جذباتیت ہر مسلمان کا ایمان بھی ہے، ہر مسلمان کا عشق بھی ہے، اور ہر مسلمان کی غیرت بھی ہے۔ باقی ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ جمعہ کو۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(پانچواں بیان)

قادیانیوں کے بارہ میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہ وَکفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی! اَمَّابَعْدْ! اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَی أَھْلِھَا وَإِذَاحَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْکُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہِ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیعًا بَصِیرًا﴾ [النساء: 58]

برادران اہل السنۃ والجماعۃ!

گزشتہ چار بیانات میں میں نے سپریم کورٹ کے ایک غلط فیصلے پر روشنی ڈالی اور آج بھی ان شاء اللہ العزیز اسی موضوع پر مزید روشنی ڈالوں گا۔ گزشتہ بیانات میں میں عرض کر چکا ہوں کہ چناب نگر کے ایک قادیانی ملزم نے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرزا بشیر الدین محمود کی ”تفسیرِ صغیر“ تقسیم کی جس پر اس کے خلاف مقدمہ درج ہوا، اور وہ گرفتار ہوا، سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ نے اس کی درخواست ضمانت مسترد کر دی، مگر سپریم کورٹ نے مقدمہ سے وہ تمام دفعات خارج کر کے جو ناقابلِ ضمانت تھیں اور اپنی طرف سے ایک قابلِ ضمانت دفعہ لگا کر اس قادیانی ملزم کو ضمانت پر رہا کر

دیا، میں عرض کر چکا ہوں کہ عدالت عظمیٰ کے اس فیصلے میں چند قرآنی آیات سے غلط استدلال بھی کیا گیا ہے، ملزم کے جرائم کی روشنی میں جو قانونی دفعات اس کے خلاف عائد کی گئی تھیں وہ قانونی دفعات بھی مقدمہ سے خارج کر دی گئی ہیں اور قادیانی ملزم کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔

پاکستان کی آئینی حیثیت نظریہ پاکستان اور قراردادِ مقاصد کی روشنی میں

جسے سیاسی زبان میں کہا جا سکتا ہے کہ اسے ضمانت کا ریلیف دیا گیا، سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد بہت سے مسائل کھڑے ہو گئے ہیں جن پر میں کافی حد تک اپنے گزشتہ بیانوں میں روشنی ڈال چکا ہوں اور آج بھی ان شاء اللہ العزیز اس پر مزید روشنی ڈالوں گا لیکن اس فیصلے کی روشنی میں سوشل میڈیا پر ایک اور مسئلہ نے سر اٹھایا ہوا ہے، جو سیکولر حلقوں کی طرف سے اٹھایا گیا ہے، یہ سیکولر حلقے پاکستان بننے کے بعد سے ہی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل ہو چکے تھے، ان کی سر توڑ کوشش تھی کہ پاکستان اسلامی ریاست نہ بنے بلکہ سیکولر اسٹیٹ بنے، اس مقصد کے لیے وہ ۲۶/ سال تک (۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۳ء) سرگرم رہے، لیکن بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم پاکستان بننے سے پہلے ہی ان کے عزائم تاڑ گئے تھے، اس لیے انہوں نے پاکستان بننے کے بعد پہلی فرصت میں ہی دستور پاکستان کے لیے اصولی بنیاد تیار کرنے کا حکم دے دیا تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر دستور پاکستان کی بنیاد تیار کی، جسے قرارداد مقاصد کا نام دیا گیا، اور پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی نے اس قرارداد مقاصد کو پاس کر لیا، قائد اعظم مرحوم کی زندگی نے زیادہ وفا نہ کی اور پاکستان بننے کے تقریبا ایک سال بعد ۱۹۴۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا، جس کی وجہ سے پاکستان کا دستور ان کی زندگی میں نہ بن سکا، لیکن وہ دستور کی بنیاد قرارداد مقاصد کی صورت میں ضرور فراہم کر گئے، قرارداد مقاصد کے اندر دو چیزیں بڑی واضح ہیں،

پہلی چیز اس میں صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دی گئی ہے کہ پاکستان کا قیام چونکہ اسلام کے نام پر عمل میں آیا ہے اس لیے پاکستان عدل عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہو گی ،یعنی پاکستان ایک اسلامی جمہوری ملک ہو گا،

دوسری چیز قرارداد مقاصد کے اندر یہ واضح کر دی گئی کہ پاکستان کے اندر ایسا نظام قائم کیا جائے گا

جس میں حاکمیت اعلیٰ اللہ رب العزت کی ہوگی، اور نظام ایسا ہوگا جس میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے میں مدد مل سکے، ۲۶/سال تک ملک کے اندر آئین بنتے اور ٹوٹتے رہے کوئی دیرپا اور مستقل آئین نہ بن سکا، حتیٰ کہ دنیا کے اندر پاکستان کو سرزمین "بے آئین" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا، ان ۲۶/سالوں میں اسلام پسند اور سیکولر قوتیں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہیں، اسلام پسند قوتیں چاہتی تھیں کہ پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہو اور سوشلسٹ کمیونسٹ اور سیکولر لابیوں کی کوشش تھی کہ پاکستان کا نام "عوامی جمہوریہ پاکستان ہو" قرارداد مقاصد کی وجہ سے یہ سیکولر اور کمیونسٹ حلقے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں پاکستان کو "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کی آئینی حیثیت حاصل ہوگئی۔

آئین کے آرٹیکل ۸/کے حوالے سے سیکولر حلقوں کی نئی شرارت

ذہن میں رکھیے کہ "عوامی جمہوریہ" کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے اندر حاکمیت اعلیٰ عوام کی ہوگی یعنی عوام کے منتخب نمائندے پارلیمنٹ کے اندر جاکر جو قانون بنائیں وہ خود مختار ہیں اور وہی ریاست کی اصل پاور ہیں، جیسے پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور ہی یہی ہے، اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے سوشلزم ہماری معیشت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں اور "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کا مطلب یہ ہے کہ ریاست کے اندر حاکمیت اعلیٰ خداوند کائنات کی ہے یعنی طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے، جب پاکستان آئینی اور دستوری طور پر اسلامی جمہوریہ بن چکا تو اس کے بعد سیکولر حلقوں نے پوری کوشش کی کہ پاکستان اب صرف نام کی حد تک اسلامی رہے، اس کے اندر اب اسلامی قانون سازی نہ ہوسکے، اس میں اسلامی قوانین نہ بن سکیں، لیکن جنرل محمد ضیاء الحق شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں چند اسلامی قوانین بھی بن گئے، اب وہ سیکولر لابیاں مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ اسلامی قوانین عملی طور پر تو غیر مؤثر ہیں ہی، کیونکہ اب تک کسی اسلامی قانون پر عمل نہیں کیا گیا، وہ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی قانونی آڑ اور روک کھڑی کی جائے جس کی وجہ سے یہ اسلامی قوانین قانونی طور پر بھی غیر مؤثر ہوجائیں اور اس وقت ان قوانین کو غیر مؤثر بنانے کا شارٹ کٹ راستہ یہی ہے کہ وہ عدالتوں کے ذریعے ان قوانین کی ایسی تشریح کرادیں جس سے ان قوانین کا جسم تو

بے شک باقی رہے لیکن ان کی روح فنا ہو جائے ،اپنے اس ایجنڈے کے تحت وہ عرصہ دراز سے مختلف قسم کی شرارتیں کرتے رہتے ہیں ،آج کل انہوں نے سوشل میڈیا پر دستور پاکستان کے آرٹیکل آٹھ پر بحثیں شروع کر رکھی ہیں ،دستور کے اس آرٹیکل میں عدالتوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر آئین اور قانون کے اندر بنیادی انسانی حقوق نہ دیے گئے ہوں یا وہ حقوق معطل ہوں تو عدالتیں قانونی تشریح کے ذریعے ان آئینی و قانونی قوانین کو معطل کر کے بنیادی انسانی حقوق بحال کر سکتی ہیں ،یعنی آئین کے آرٹیکل آٹھ کے تحت عدالتیں ایسے پارلیمانی قوانین کو بھی معطل کر سکتی ہیں جو قوانین بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہیں اور ان کی وجہ سے لوگ انسانی حقوق سے محروم ہو گئے ہیں۔

آئین پاکستان کی روشنی میں قانون سازی کی بنیاد قرآن و سنت ہیں

میں نہیں جانتا کہ اس آرٹیکل کی روشنی میں عدالتوں کے پاس پارلیمانی فیصلوں کے ذریعہ بنائے جانے والے قوانین کو اپنی تشریح کے ذریعے ختم کرنے یا انہیں غیر مؤثر کرنے کا اختیار کس حد تک ہے ؟ یہ فیصلہ اور وضاحت تو ماہرین قانون ہی کر سکتے ہیں ،شاید سپریم کورٹ کا فیصلہ بھی انہی سیکولر لابیوں کے ایجنڈے کا حصہ ہے۔ لیکن یہاں بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ریاست کے اندر انسانی حقوق کا تعین کون کرے گا جس ریاست کا مملکتی مذہب اسلام ہے ؟ اس بارہ میں دستور پاکستان خاموش نہیں ہے کہ عدالتیں اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر کسی قانون کی بھی کوئی من مانی تشریح کر سکیں گی ،بلکہ دستور پاکستان کا موقف اس بارے میں بڑا واضح ہے ، دستور پاکستان کے آرٹیکل ۳۱/ کے اندر ریاست کے مسلمانوں کے لیے ریاست نے یہ ضمانت دی ہے کہ ریاست تمام ریاستی مسلمانوں کو ایسی تمام سہولتیں فراہم کرے گی جن کے ذریعے وہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق بنا سکیں اور آئین کے آرٹیکل ۲۲۷/ میں یہ وضاحت بھی صاف لفظوں میں موجود ہے کہ پاکستان کے اندر پہلے سے جو قوانین قرآن و سنت کے منافی موجود ہیں انہیں بھی قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے گا اور جو قوانین آئندہ وضع کیے جائیں گے ، وہ بھی قرآن و سنت کے مطابق وضع کیے جائیں گے کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا،آئین کے اس آرٹیکل ۲۲۷ کی روشنی میں یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ دستور کے اندر حقوق

سے متعلق بھی اور جرائم کے متعلق بھی جو قوانین بنیں گے وہ قرآن و سنت کے مطابق ہوں گے، انسانی و مذہبی حقوق کا تعین بھی قرآن و سنت سے کیا جائے گا اور ریاستی و مذہبی جرائم اور ان کی سزاؤں کا تعین بھی قرآن و سنت کی روشنی میں ہی کیا جائے گا، دستور کے اندر قرارداد مقاصد بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے جو باقاعدہ دستور کا حصہ ہے دستور کے آرٹیکل ۲/میں اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب تسلیم کیا گیا ہے، اور آرٹیکل 2/الف میں قرارداد مقاصد کو دستور کا باقاعدہ حصہ بنایا گیا ہے اس اعتبار سے دستور کا آرٹیکل ۲، آرٹیکل ۲/الف اور آرٹیکل ۲۲۷/کو اگر آپس میں ملایا جائے تو دستور پاکستان کا قرآن و سنت کے دائرے سے باہر نکلنا ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ قرآن و سنت ہی میری ریاست کا سپریم لاء ہیں، اب یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے قادیانیت نواز اور اسلام دشمن سیکولر حلقے عدالتوں کو آئین اور قانون کی غلط تشریح کے گھمن گھیر راستے دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں، کبھی مذہب کے نام پر، اور کبھی حقوق کے نام پر، کبھی اقلیتوں کے نام پر اور کبھی اظہار رائے کی آزادی کے نام پر، کبھی حقوق نسواں کے نام پر اور کبھی حقوق ٹرانس جینڈر کے نام پر، ایک طرف ہمارے قومی نمائندے اسلامی قانون سازی کے مراحل کچھوے کی چال سے طے کر رہے ہیں اور دوسری طرف قادیانی اور ان کے ہم نوا برق رفتاری سے اسلامی قوانین کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں، وہ جو حقوق اور مذہبی آزادی کے نام پر قوم کو دھوکہ دیتے ہیں۔ میں تفصیل کے ساتھ واضح کر چکا ہوں کہ بین الاقوامی معیار کے انسانی حقوق یہاں کی تمام اقلیتوں کو حاصل ہیں۔ عیسائی، ہندو، سکھ، کسی اقلیت کو آپنے حقوق کے بارے میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ جہاں تک قادیانیوں کا مسئلہ ہے ریاست ان کے حقوق دینے سے انکار نہیں کر رہی اور نہ ریاست کے مسلمانوں کو ان کے حقوق پر کوئی اعتراض ہے ریاست بھی انہیں صرف مسلمانوں کے مذہبی حقوق غصب کرنے سے روک رہی ہے اور مسلمانوں کو بھی ان سے یہی شکایت ہے۔ مگر قادیانی اور سیکولر حلقے عدالتوں کو یہ راستہ دکھا رہے ہیں کہ وہ من مانی تشریحات کے ذریعے اسلامی قوانین کا حلیہ بگاڑیں، تاکہ پیشہ ور اسلام دشمن عادی مجرموں کو آئین اور قانون کے چور راستے فراہم کر سکیں، وہ توہین قرآن اور توہین رسالت کی جسارتیں بھی کرتے رہیں اور اسلامی شعائر کا لبادہ اوڑھ کر آپنے آپ کو مسلمان بھی ظاہر کرتے رہیں یعنی کوٹھہ کا دھندا وہ

کوٹھی میں کرنا چاہتے ہیں لیکن مسلمان اپنی کوٹھی کو ان کے غلیظ دھندے سے کبھی آلودہ نہیں ہونے دیں گے، میں جناب چیف جسٹس سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسلام دشمنوں کی اس سازش کو سمجھیں، اس سے قانون شکنی اور جرائم کا دروازہ تو کھل سکتا ہے امن اور عدل قائم نہیں ہو سکتا۔

اسلامی قوانین کے خلاف عالمی استعماری ایجنڈا

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آج کل سیکولر لابیاں قادیانی اور قادیانیت نواز گروہ اور عالمی استعماری قوتیں مذہبی مقدمات کے بارے میں اتنی تاؤلی اور باؤلی کیوں ہو رہی ہیں؟ ہماری عدالتوں میں ہزاروں مقدمات کی فائلیں بند پڑی ہیں۔ ہزاروں مقدمات سالہا سال سے تاریخ پہ تاریخ کی اذیت ناک عدالتی کاروائیوں سے گزر رہے ہیں۔ ہزاروں افراد جیلوں میں بند سالوں سے اپنے فیصلوں کے منتظر ہیں، معلوم نہیں ان میں سے کتنے بیچارے بے قصور اور مظلوم ہیں، یہ بھی معلوم نہیں کہ ان میں سے کتنے ایسے ہیں جن کو پانچ سال سات سال کی حوالات کاٹنے کے بعد عدالت کی طرف سے سوری ہونے والی ہے ۷،۵/سال بعد عدالت ان سے کہہ دے "آئی آیم سوری" ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے آپ کو باعزت بری کیا جاتا ہے۔ اور ہر بری ہونے والا آسیہ مسیح کی طرح خوش قسمت بھی نہیں ہوتا کہ 10/سال قید کاٹ کر دن میں عدالت کی طرف سے بری ہو۔ اور رات کو حکومت کی طرف سے فیملی سمیت فرانس ٹرانسفر ہو جائے، لیکن مذہبی مقدمات برق رفتاری سے نمٹائے جا رہے ہیں، اور انہیں ہائی لائٹ بھی کیا جا رہا ہے اور یہ ساری پھرتیاں عدالت عظمیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے سارا غصہ اور اختیار مذہبی مقدمات ہی کے لیے ریزرو رکھا جاتا ہے۔

اگر آپ اس پر ذرا گہری نظر ڈالیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ہماری عدالت عظمیٰ تو بیچاری حسبِ معمول نظریہ ضرورت کا فریضہ انجام دے رہی ہے اور اس کھیل کے پیچھے عالمی استعماری قوتوں کی ایک خطرناک اور زہریلی چال پوشیدہ ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ عالمی استعماری قوت ایک طویل عرصے سے پاکستان کے اندر موجود ہے، اسلامی قوانین کو ختم کرانے کی کوشش اور

سازش کر رہی ہے، اور ہمارے قادیانی اور سیکولر طبقات ان قوتوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں، قادیانی اور لاہوری گروہوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا پارلیمانی فیصلہ ان طاقتوں کی نظر میں شروع سے کھٹک رہا ہے، جن طاقتوں نے مرزا قادیانی کو نبی بنا کر ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کی تھی، امت کے دلوں سے جذبہ جہاد ختم کرنے کے لیے اس کے سر پر برطانوی نبوت کا تاج رکھنا تھا اور میں اپنے کئی بیانات میں واضح کر چکا ہوں کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ صرف مولویوں کا نہیں تھا بلکہ اس تحریک میں سب سے زیادہ متحرک مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم تھے وہ تو فرنگی دور اقتدار میں ہی اس تحریک کے علمبردار تھے کہ قادیانیوں کو امت مسلمہ سے الگ فرقہ قرار دے کر اسمبلی میں ان کو مسلمانوں سے الگ نشست دی جائے، ان کے ووٹوں کے تناسب سے لیکن فرنگی سامراج کے پالتو ایجنٹوں کو آج تک یہ فیصلہ کھٹک رہا ہے، پھر قادیانیوں کو عملی طور پر مسلمانوں سے الگ کرنے کے لیے امتناع قادیانیت آرڈیننس نافذ ہوا جس کے مقاصد پر میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس آرڈیننس کے ذریعے قادیانیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ کہ وہ کوئی ایسا مذہبی عمل اختیار نہیں کر سکتے جو عمل خاص مسلمانوں کا شعار ہے، یہ آرڈیننس بھی قادیانیوں کے مغربی سرپرستوں کے دلوں میں کانٹا بن کر جی رہا ہے، توہین قرآن کی سزائے عمر قید اور توہین رسالت کی سزائے قتل کے قوانین سے بھی مغربی قوتوں اور ان کے ایجنٹوں کو کافی تکلیف ہے، اسلام کے پاکستان کا مملکتی مذہب ہونے کا قانون بھی مغربی سامراج کیمونسٹوں، سوشلسٹوں اور لبرل و سیکولر لابیوں کے سینہ میں تیر بن کر لگتا ہے، دستور پاکستان کا آرٹیکل ۲۲۷/ جس میں پاکستان کے تمام قوانین کو قرآن و سنت کے دائرے میں بند رکھنے کی ضمانت دی گئی ہے یہ آرٹیکل تو ان اسلام دشمن قوتوں کے لیے جام زہر سے کم نہیں۔ انسانوں کی بجائے خالق کائنات کی حاکمیت اعلیٰ کا قانون، حدود اللہ کا قانون اور ایسے دوسرے تمام قوانین جن کی بنیاد قرآن و سنت ہے عالمی استعماری قوتوں کے سینے پر بھاری چٹان کی طرح پڑے ہیں۔ ان طاغونی قوتوں کو نہ پاکستان کا اسلامی جمہوریہ ہونا گوارا ہے اور نہ وہ اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب ماننے کے لیے تیار ہیں، اس لیے وہ پاکستانی مسلمانوں کی اسلام پسندی اور غیرت دینی کو برداشت نہیں کرتے۔

عالمی قوتوں کا پاکستان پر سیاسی اور اقتصادی دباؤ

حالانکہ پوری دنیا جانتی ہے کہ پاکستان کا قیام ہی اسلامی نظام کے احیاء و نفاذ کی خاطر ہوا تھا۔ یہ ملک بنا ہی اسلام کے لیے تھا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے اپنے بے شمار خطبات اور پیغامات میں یہ بات واضح کر دی تھی۔ ۱۹۴۳ء کے خطبہ جالندھر میں انہوں نے واضح طور پر فرمایا "کہ مجھ سے بار بار پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا نظام کیا ہو گا؟ میں ان لوگوں پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے پاکستان کا نظام بنانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ پاکستان کا آئین و قانون ۱۳۰۰/سال پہلے قرآن کی صورت میں بن چکا ہے اور وہ قیامت تک کی ہر انسانی سوسائٹی کے لیے کافی ہے۔ ۱۹۴۴ء کے خطبہ لاہور میں قائداعظم نے فرمایا "کہ میں کیمونسٹ پارٹی کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو نہ چھیڑے، مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش نہ کرے مسلمانوں کو کسی ازم کی ضرورت نہیں، نہ سوشلزم کی، نہ کیمیونزم کی، نہ سیکولرازم کی، کیونکہ مسلمانوں کے پاس اسلام موجود ہے جو ان کے لیے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ۱۹۴۵ء کے آپنے پیغام عید میں قائداعظم نے فرمایا کہ قرآنی تعلیمات صرف عبادات اور اخلاقیات کے دائرے میں بند نہیں ہیں بلکہ یہ ایک مکمل قانون حیات ہے۔ یہ مذہبی، معاشرتی، تمدنی، معاشی، تجارتی، عدالتی اور تعزیری تمام احکامات کا مجموعہ ہے۔

بانی پاکستان نے اپنے اکثر خطبات کے اندر یہ بات واضح کر دی تھی کہ پاکستان ایک مکمل مذہبی ریاست ہے ہرگز سیکولر اسٹیٹ نہیں، مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کا یہی تصور مفکر پاکستان علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے دیا تھا مفکر پاکستان اور بانی پاکستان دونوں کے ویژن کے مطابق ہی پاکستان اسلامی جمہوریہ بنا اور اسی ویژن کے مطابق اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب قرار دیا گیا، اور اس میں پارلیمنٹ کے ذریعے اسلامی قانون سازی کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلے تو عالمی طاغونی قوتیں ان قوانین کے بننے کی راہ میں رکاوٹ بنیں، مگر پاکستانی مسلمانوں کے جوش و جذبہ کے سامنے ان کی دال نہیں گلی اور چند اسلامی قوانین منظور ہو گئے، پھر ان استعماری قوتوں نے ان چند اسلامی قوانین کو ختم کرانے کی کوشش شروع کر دی۔

کبھی آئی، ایم، ایف، کی طرف سے پاکستان کو دیے جانے والے قرضوں کو ان قوانین کے

خاتمے کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ کبھی ورلڈ بینک کی طرف سے پاکستان کو دی جانے والی امداد کو ان قوانین کے خاتمے کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ کبھی اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کی طرف سے دھمکیاں دی گئیں کہ اگر یہ قوانین ختم نہ کیے گئے تو پاکستان کو عالمی اقتصادی پابندیوں میں جکڑ دیا جائے گا، حتیٰ کہ جب پاکستان نے امریکہ سے ایف ۱۶/ طیارے خریدنے چاہے اور ان کی رقم بھی ایڈوانس ادا کر دی گئی رقم ایڈوانس وصول کرنے کے باوجود اس نے ایف ۱۶/ دینے سے انکار کر دیا اور یہ شرط عائد کر دی کہ پہلے یہ قوانین ختم کرو اور اپنا ایٹمی پروگرام رول بیک کرو پھر آپ کو ایف ۱۶/ ملیں گے۔ ان بین الاقوامی دہشت گردوں نے غنڈہ گردی اور بدمعاشی کے ذریعے یہ قوانین ختم کرانے کی ہر کوشش کی۔ غنڈہ گردی اور بدمعاشی کا راستہ اپنایا، سیاسی سفارتی دباؤ سے لے کر دفاعی اور اقتصادی پابندیوں تک انہوں نے ہر حربہ اختیار کیا، منتخب ہونے والے حکمرانوں سے وعدے لیے، انہیں بڑے بڑے انعامات اور بڑی بڑی مراعات سے نوازا۔ لیکن پاکستانی مسلمانوں کے جذبہ ایمانی، ان کی غیرت دینی اور ان کے ملی جوش و جنون کی وجہ سے کوئی حکمران بھی جسارت نہ کر سکا اور آج تک بحمد اللہ تعالیٰ یہ قوانین محفوظ ہیں۔

نیشنل کمیشن فار ہیومن رائٹس کی رپورٹ سینٹ میں

اسی بین الاقوامی دباؤ پر انٹرنیشنل غنڈہ گردی کے تحت نومبر ۲۰۱۶ء میں نیشنل کمیشن فار ہیومن رائٹس کی طرف سے ایوان بالا یعنی سینٹ میں ایک رپورٹ جمع کرائی گئی، یہ نیشنل کمیشن فار ہیومن رائٹس حکومت پاکستان کا قائم کردہ ایک سرکاری دارہ ہے۔ اس سرکاری ادارے کی طرف سے سینٹ میں یہ رپورٹ پیش کی گئی کہ مذہب کے خلاف جرائم سے متعلق سزاؤں کے بارے میں پاکستانی قوانین عالمی انسانی حقوق کے قوانین سے مطابقت نہیں رکھتے۔ عالمی انسانی حقوق میں جو مذہبی آزادی گئی ہے یہ قوانین اس مذہبی آزادی کے بھی خلاف ہیں اور عالمی انسانی حقوق کے منشور میں جو اظہار رائے کی آزادی دی گئی ہے یہ قوانین اظہار رائے کی اس آزادی کے بھی خلاف ہیں پاکستان اقوام متحدہ کا ممبر ہے، اس لیے پاکستانی قوانین کا عالمی قوانین کے مطابق اور ان کے موافق ہونا ضروری ہے، لہذا پاکستان کے اندر مذہبی جرائم کی سزاؤں کے جو قوانین بھی ہیں یا تو ان کو ختم کیا

جائے یا ان میں ایسی ترامیم کی جائے کہ وہ عالمی قوانین کے موافق ہو جائیں۔ یہ اس ادارہ کی رپورٹ ہے جو اس ملک کا سرکاری ادارہ ہے، جس ملک کا ریاستی اور مملکتی مذہب اسلام ہے، یہ سرکاری ادارے کی شرارت تھی یا بزدلی؟ یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس ادارے کے اراکین نے اپنے اندر کی خباثت باہر نکالی یا واقعی وہ کسی بیرونی دباؤ کا شکار تھے۔ بہر حال یہ رپورٹ سینٹ کی انسانی حقوق کی سٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کی گئی عوامی نمائندوں پر مشتمل اس کمیٹی نے بھی بھرپور منافقت اور بزدلی کا ثبوت دیا۔ اس کمیٹی کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے ریاستی دستور کا دفاع کرتی۔ ملکی قوانین کا دفاع کرتی، اور یہ موقف اختیار کرتی کہ ہمارے یہ مذہبی قوانین ہمارے ریاستی دستور کے مطابق بنائے گئے ہیں۔ اور ہمارے ریاستی دستور کی بنیاد اسلام پر ہے، اور اسلام کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے، اس لیے ہم قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے مذہبی قوانین بنانے کے پابند ہیں۔ لیکن سینٹ کی اس کمیٹی نے بھی ان قوانین کا دفاع کرنے کی بجائے جو موقف دیا وہ بڑا شرمناک اور اذیت ناک ہے۔ سینٹ کمیٹی نے اپنا یہ موقف دیا کہ "اس وقت ملک کے حالات ایسے ہیں کہ اگر ہم نے یہ قوانین ختم کیے یا ان میں ترمیم کی تو عوام کی طرف سے شدید ردعمل کا خطرہ ہے۔ اس لیے فی الحال ہم ان قوانین کو ختم کرنے یا ان میں ترمیم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں البتہ ان مذہبی قوانین کے غلط استعمال کو روکنے کی ضرورت ہے۔ سینٹ کی سٹینڈنگ کمیٹی کا اشارہ شاید اس طرف تھا کہ عوامی نمائندے تو عوامی ردعمل کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، اس لیے یہ کام کسی ایسے ادارے کے سپرد کیا جائے جس کے ارکان عوام کے ملازم تو ہوں مگر عوام کے نمائندے نہ ہوں۔ اور ظاہر بات ہے کہ یہ کام دو ہی ادارے کر سکتے تھے ریاست کی انتظامی مشینری یا عدلیہ اگر یہ کام انتظامی مشینری کے ہاتھ میں ہوتا تو ظاہر بات ہے کہ قانون اپنی جگہ آپنی اصل حالت میں بدستور رہتا، صرف اس سلسلے کے کسی کیس کی نوعیت اس کے اندراج اور اس کے طریقہ کار کی حکمت عملی تیار ہوتی، اس کے لیے کوئی ضابطہ اخلاق مرتب ہوتا اور بہت سے علاقوں میں ضلعی لیول پر ایسی کمیٹیاں بنی بھی جن میں متعلقہ تھانے کا انسپیکٹر، ڈی، ایس، پی، تحصیل اور ضلعی افسران تمام مکاتب فکر کے نمائندے اور ذمہ دار سیاسی رہنما شامل کیے گئے یہ طریقہ کار مناسب بھی تھا، قابل عمل بھی تھا اور قابل قبول بھی تھا، اور اس پر تقریبا

سب متفق بھی تھے لیکن شیطانی قوتوں کو یہ طریقہ اس لیے ناقابل قبول تھا کہ اس میں قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ قانون اپنی جگہ بدستور موجود رہتا اور ابلیسی قوتیں یہ چاہتی تھیں کہ صرف پروسیس طے نہ ہو بلکہ قانون ہی کھوکھلا ہو جائے۔ قانون کو اندر سے ایسا ہٹ کیا جائے کہ قانون صرف نام ہی کا قانون ہو کام کا نہ رہے۔ اور یہ کام ریاست کی انتظامی مشینری نہیں کر سکتی تھی، اس لیے یہ کام عدلیہ کو سونپ دیا گیا کہ عدلیہ ان قوانین کی ایسی تشریح کر دے کہ یہ قوانین قابل استعمال نہ رہیں اور عملی طور پر غیر موثر ہو جائیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پارلیمنٹ قانون بناتی ہے لیکن اگر قانون میں کوئی ابہام ہو تو اس یہ ابہام کو ختم کرنے کے لیے اس قانون کی تشریح عدلیہ کرتی ہے اس کی تازہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے ہمارے ہاں قانون ہے کہ سینٹ، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کا جو رکن قانونی طور پر صادق و امین نہ رہے وہ نااہل ہو جاتا ہے اس قانون کے اندر یہ ابہام تھا کہ اس کے نا اہل ہونے کی مدت کیا ہے؟ وہ تاحیات نااہل ہے؟ وہ ۱۰/سال کے لیے نااہل ہے؟ وہ پانچ سال کے لیے نااہل ہے؟ یہ ایک ابہام تھا قانون کے اندر، جب ہمارے کچھ سیاسی رہنما اس قانون کی زد میں آئے اور انہیں نااہل قرار دیا گیا تو یہ بحث اٹھی یہ نااہلی کتنی مدت کے لیے ہے؟ یہ ابہام ختم کرنے کے لیے عدالت عظمیٰ کی طرف رجوع کیا گیا، عدالت نے فیصلہ دیا کہ ایک اسمبلی کی مدت جو کہ پانچ سال ہے لہذا نااہلی کی مدت بھی پانچ سال ہو سکتی ہے، قانون کا یہ ابہام ختم ہو گیا اور نااہلی کی مدت متعیّن ہو گئی، تو پارلیمنٹ قانون بناتی ہے اور اگر اس قانون میں کوئی ابہام موجود ہو تو عدلیہ اس ابہام کو دور کرنے کے لیے قانون کی تشریح کرتی ہے، شیطانی دماغ رکھنے والی قادیانی سیکولر قوتوں نے اپنا ایجنڈا عدلیہ کے ذریعے پورا کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا۔

یہ ریاست خداداد ہے اس کا نظام بھی خداداد ہے

لیکن وہ عقل کے اندھے وہ اپنے شیطانی دماغ سے یہ منصوبہ بندی تو کر رہے ہیں کہ پاکستان کے مذہبی قوانین کو بین الاقوامی قوانین کے مطابق بنانا ہے، لیکن وہ پاکستان کے مسلم عوام کو یہ کیسے باور کرا سکیں گے کہ یہ عالمی قانون سازی کرنے والے ٹھیکیدار خدا کے وجود کو بھی ماننے والے ہیں یا نہیں؟ وہ خدا اور اس کے احکام کو بھی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ دنیا جانتی ہے کہ ان بے دینوں کا نہ کوئی دین ہے

اور نہ مذہب، ان کا نہ کوئی خدا ہے اور نہ رسول، ان کا مذہب صرف حاکمیت اور دولت ہے، ان کا دین صرف انسانیت کا خون چوسنا ہے، ان کا دھرم صرف دنیا کی تباہی و بربادی ہے، دولت اور ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر دنیا کا امن تباہ کرنا ہے، طاقت کے نشے میں پوری دنیا کو اپنا غلام بنا کے رکھنا ہے، جہاں ان کو جمہوریت سوٹ کرتی ہے وہاں وہ جمہوریت کے علمبردار بن جاتے ہیں، جہاں ان کو بادشاہت اور ملوکیت میں فائدہ نظر آتا ہے وہاں وہ بادشاہت و ملوکیت کے ہم نوا اور اس کے معاون و مددگار بن جاتے ہیں جہاں ان کو فوجی آمریت میں اپنا مفاد نظر آتا ہے وہاں وہ فوجی آمریت کے شانہ بشانہ کھڑے ہو جاتے ہیں فوجی آمریت کی محافظ و نگہبان بن جاتے ہیں، ان کا اپنا مذہب اور اپنا نظام صرف دنیا پر اپنی آمریت اور اپنی حاکمیت قائم کرنا ہے، ان کا مفاد مشرقی تیمور کو الگ ریاست بنانے میں تھا، انہوں نے ایک سال کے اندر مشرقی تیمور کو انڈونیشیا کے وفاق سے الگ بھی کر لیا۔ ریفرنڈم کے ذریعے اسے الگ ریاست بھی بنا لیا، ان کا مفاد کشمیر کی آزادی میں نہیں ہے، اس لیے آزادی کشمیر کے بارہ میں قوام متحدہ کے اندر پاس شدہ قرارداد تقریباً ۷۷/سال سے فائلوں کے نیچے ابھی تک سسک رہی ہے اور کشمیری مسلمان ۷۸/سال سے اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ دنیا کے وحشی بھیڑیے وہ دنیا کے خود غرض اور حرص و ہوس کے کتے، وہ سفاک درندے وہ عراقی افغانی اور فلسطینی مسلمانوں کے قاتل وہ میرے انسانی حقوق متعیّن کریں گے؟ انسانیت کو خاک و خون میں نہلانے والے اب انسانی حقوق کا تعین کریں گے؟ میرے ملک کے قادیانی اور سیکولر کان کھول کر سن لیں کہ ہم الحمدللہ مسلمان ہیں، یہ ہمارا ملک ہے، اس میں قانون بھی ہمارا ہوگا، حقوق ہمارے ہیں ان کا تعین بھی ہم خود کریں گے، اور وہ انسانیت کے وحشی قاتل بھی پوری توجہ سے سن لیں! ہم مسلمان ہیں، ہم پاکستانی ہیں، ہم انسان ہیں، ہمارا خالق اللہ ہے، ہمارا رازق اللہ ہے، ہمارا مالک اللہ ہے، ہمارا حاکم اللہ ہے ہمارا قادر مطلق اللہ ہے، ہم اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر رہتے ہیں، اللہ کی دی ہوئی زندگی جیتے ہیں، اللہ کی عطا کردہ ریاست خداداد پاکستان ہمارا مسکن ہے، اس لیے ہم اپنا قانون حیات اور اپنا نظام زندگی بھی آپنے خالق و مالک سے لیں گے۔ میرے لیے میرے حقوق اور میری ریاست کے لیے آئین و قانون بھی وہی دے گا۔

ریاست پاکستان ہمیں اقوام متحدہ نے خیرات میں نہیں دی

اور وہ ۱۴۰۰/سال پہلے میرے لیے قانون آسمان سے اتار بھی چکا ہے، اس قانون کے اندر وہ میرے اور میری قوم کے حقوق بھی متعیّن کر چکا ہے اب مجھے نہ اپنا قانون لینے کے لیے کسی کے دروازے پر جانے کی ضرورت ہے، اور نہ مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حقوق لینے کے لیے کسی ملحد و زندیق اور وحشی قاتل ادارے کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہے، پوری انسانیت کے لیے، قیامت تک کے تمام زمانوں کے لیے، زمین بھر کی تمام قوموں کے لیے، عالمی انسانی حقوق کا منشور ۱۴۰۰/سال پہلے میرے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں بیان فرما چکے ہیں، اگر کوئی احمق یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا انسانی ادارہ مجھے میرے خالق و مالک سے بہتر کوئی آئین دے سکتا ہے اور میرے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بہتر کوئی قانون دے سکتا ہے تو وہ علم و عقل سے پیدل ہے، وہ فہم و فراست سے خالی ہے، اس لیے میں دو ٹوک لفظوں میں اعلان کرتا ہوں کہ میرے پاس آئین بھی ہے، قانون بھی ہے، اس لیے اب مجھے کسی انٹرنیشنل ادارے اور کسی بین الاقوامی مجلس کے بنائے ہوئے حدود و حقوق قبول نہیں ہیں، میں ان کے بنائے ہوئے نظام اور ان کے دیے ہوئے حدود و حقوق مسترد کرتا ہوں، مجھے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دیے ہوئے نظام اور ان کے دیئے ہوئے حدود و حقوق کے مقابلے میں کسی بھی قومی اور عالمی ادارہ کے دیئے ہوئے قانون و حقوق منظور نہیں ہیں یہ ریاست میری ہے، یہاں نظام بھی میرا ہوگا، یہ عدالت میری ہے یہاں فیصلے بھی میرے قانون کے مطابق ہوں گے، یہ ریاست مجھے ان بین الاقوامی اجارہ داروں نے خیرات اور بھیک میں نہیں دی، اس ریاست کے لیے میرے اکابر و اسلاف نے بے شمار قربانیاں دی ہیں، اس ریاست کے لیے میرے بزرگوں کی دو سو سالہ جدوجہد ہے، اس ریاست کی مٹی میں آج بھی حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قبریں موجود ہیں جنہوں نے اس خطے کے اندر سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، اور جام شہادت نوش کیا اس ریاست کے لیے میری ملت کے لاکھوں افراد شہید ہوئے جیلیں برداشت کیں، جلا وطنیاں برداشت کیں کالا پانی کے جزیروں میں نظر بند

رہے، اگر آج گوانتاناموبے میں امریکی وحشیوں کی وحشیانہ کاروائیاں اور افغان قیدیوں کے ساتھ ان کی درندگی کی داستان عالمی میڈیا کے ذریعے دنیا کے سامنے نہ آتی تو آج کے دور کے مسلمان کو پتہ نہ چل پاتا کہ یہ وحشی کالا پانی کے جزیرہ میں کیا برتاؤ کرتے رہے، اس ریاست کے قیام کے لیے میری ہزاروں ماؤں بہنوں کی عصمتیں لٹیں، آج میرے ملک کا سیکولر حکمران، میرے ملک کا سیکولر سیاستدان، میرے ملک کا سیکولر جرنیل، میرے ملک کا سیکولر جج، میرے ملک کا سیکولر بیوروکریٹ، میرے ملک کا سیکولر وکیل، میرے ملک کے سیکولر اینکر وصحافی، اس بین الاقوامی وحشی کے تلوے چاٹ سکتے ہیں۔ اس کی غلامی اور نوکری کر سکتے ہیں، لیکن میں اس وحشی کی غلامی کے مظالم نہیں بھول سکتا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ان وحشیوں کی غلامی پر اور اس غلامی کو قبول کرنے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں، ہمیں وہ قانون نہیں چاہیے اور نہ ہمیں وہ حقوق چاہئیں، جہاں ہمیں اپنے کملی والے آقا کی غلامی سے محروم کر دیں، ہم اپنی ریاست کے اندر نہ قرآن وسنت سے باہر کا کوئی قانون مانتے ہیں اور نہ قرآن وسنت سے باہر کے حقوق تسلیم کرتے ہیں۔

پارلیمنٹ کا بوجھ عدلیہ کے کندھوں پر ڈال دیا گیا

میں عرض کر چکا ہوں کہ نیشنل کمیشن فار ہیومن رائٹس نے سینٹ کے اندر ایک رپورٹ پیش کی کہ پاکستان کے مذہبی قوانین کی سزائیں چونکہ عالمی قوانین سے مطابقت نہیں رکھتیں اس لیے ان قوانین کو یا تو ختم کیا جائے اور یا ان میں ایسی ترمیم کی جائے جو عالمی اداروں کے لیے قابل قبول ہو، سینٹ کی انسانی حقوق کی سٹینڈنگ کمیٹی نے یہ رپورٹ مسترد تو کر دی یہ کہہ کر کہ فی الحال عوامی دباؤ کی وجہ سے یہ ممکن نہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس کے متبادل راستہ کا اشارہ دے دیا کہ قوانین تو فی الحال ہم نہیں بدل سکتے، البتہ ان قوانین کے غلط استعمال کا راستہ روکنا ضروری ہے یہ شاید ایک مبہم سا اشارہ تھا کہ عدالتی تشریحات کے ذریعے ان قوانین کو غیر مؤثر بنایا جا سکتا ہے، ہماری مقتدر قومی قوتوں اور عالمی استعماری اداروں نے مل کر یہ بھاری ذمہ داری ہماری عدلیہ پر ڈال دی، کہ وہ دو ذمہ داریاں نبھائے، ایک طرف وہ ان اسلامی ومذہبی قوانین کی تشریحات ایسی کریں جن سے یہ قوانین اندر سے کھوکھلے ہو کر غیر مؤثر ہو جائیں اور دوسری طرف ان کیسوں میں مدعی پارٹی کو اپنے جارحانہ رویے اور طرز کے

ذریعے اتنے دباؤ میں رکھے کہ پھر کوئی دوسرا شخص ایسے کسی مقدمہ میں مدعی بننے کا حوصلہ نہ کر سکے، بدقسمتی سے ہماری عدلیہ نے یا ہماری عدلیہ کو گائیڈ کرنے والی نظریہ ضرورت نامی قوتوں نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا اور اس کے بعد ہماری عدلیہ کی طرف سے ان کیسوں کے حوالے سے جو فیصلے بھی آئے وہ اسی نظریہ ضرورت پارٹی کے دباؤ سے آئے، ہمارے حکمرانوں کی کمزور پالیسیوں کی وجہ سے آئے، غازی ممتاز قادری شہید کو جو پھانسی کی سزا سنائی گئی وہ بھی اسی دباؤ کا نتیجہ تھا، اس کے بعد آسیہ مسیح کو جس ڈرامائی انداز میں رہا کیا گیا اور پھر اسے فیملی سمیت ملک سے باہر بھیج دیا گیا، یہ بھی اسی دباؤ کا نتیجہ تھا، اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو عدالت عظمیٰ کا یہ فیصلہ بھی اسی دباؤ کا نتیجہ نظر آتا ہے، ورنہ عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس کا ایک موجود قانون کی نفی کر دینا، سرکاری وکیل کو تیاری کے لیے مہلت نہ دینا، مدعی کے وکیل کو سننے سے انکار کر دینا، مقدمہ کی تمام دفعات کو اپنے صوابدیدی اختیار کے ذریعہ مقدمہ سے خارج کر دینا اور اپنے صوابدیدی اختیار کے ذریعے ایک ایسی ہلکی اور قابل ضمانت دفعہ مقدمہ میں شامل کر کے ملزم کو ضمانت پر رہا کر دینا، اور پھر اپنی ماتحت عدالتوں اور تفتیشی اداروں کو قرآنی آیات کے غلط استدلال کے ذریعے ڈرانا بڑی انہونی اور تشویشناک سی باتیں ہیں ان تمام چیزوں کو محض اتفاق سمجھا جا سکتا ہے، مگر ان کے نتیجے میں جو خطرات و خدشات پیدا ہو سکتے ہیں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور عام آدمی اسے عالمی استعماری قوتوں کا ایجنڈا ہی سمجھ سکتا ہے۔

ماتحت عدالتوں اور انکوائیری سسٹم کا بیڑا غرق

کیونکہ اس مقصد کے لیے عدالت عظمیٰ نے جس طرح اپنے صوابدیدی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے جرم کا سارا بوجھ مجرم پر ڈالنے کی بجائے اس کا پورا ملبہ ماتحت عدالتوں اور تفتیشی اداروں پر ڈال دیا ہے، اس پر توجہ دینے اور غور کرنے کی ضرورت ہے جناب چیف جسٹس کے فیصلے سے ایسا لگتا ہے کہ قادیانی ملزم کا کوئی جرم اور قصور نہیں، اس نے جو کچھ کیا وہ اس کا آئینی و قانونی حق تھا، قصور سارا مدعی کا ہے جس نے ملزم کے جرم کو دیکھا اسے محسوس کیا، اس کے خلاف قانونی کاروائی کرنے کا پروگرام بنایا، تھانہ میں درخواست دی، پھر اس میں دوسرا قصوروار تھانہ کا عملہ ہے، جس نے وہ درخواست اپنے ضلعی حکام تک پہنچائی، پھر اس کیس میں تیسری قصوروار ضلعی انتظامیہ ہے، جس نے

اس کیس کے لیے جے، آئی، ٹی، بنائی اور انکوائری پر چار سال برباد کر دیے پھر اس کیس میں چوتھا قصور وار پنجاب قرآن بورڈ ہے جس نے ایف، آئی، آر، درج کرنے کا لیٹر لکھا، اس کیس میں پانچویں قصور وار وہ انکوائری ٹیم ہے جس نے چالان تیار کیا، ملزم کے تمام جرائم سامنے رکھ اس پر قانونی دفعات چالان میں شامل کیں، اس کیس میں چھٹا قصور وار سیشن کورٹ ہے جس نے کیس سماعت کے لیے منظور کیا اور اس کی تمام قانونی دفعات کو تسلیم کیا اور ملزم کی درخواست ضمانت مسترد کر دی، پھر اس کیس کا ساتواں قصور وار ہائی کورٹ ہے، جس نے سیشن کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے ملزم کی درخواست ضمانت خارج کر دی، بعینہ یہی رویہ عدالت عظمی کا آسیہ مسیح کیس میں تھا، اس کیس میں بھی عدالت عظمی نے کیس کا سارا ملبہ مدعی گاؤں کی پنچائت تھانہ کے عملہ انکوائری ٹیم اور ماتحت عدالتوں پر ڈال کر سارا کیس کمزور کر دیا، تمام شہادتی اور تحقیقی ثبوتوں کے باوجود عدالت عظمی نے ایف ،آئی، آر، کو غیر قانونی اور سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ کے عدالتی فیصلوں کو عوامی اور مذہبی دباؤ کا شکار قرار دے کر اس ملعونہ کو رہا کر دیا اور مدعی کو نظر ثانی کی درخواست کا موقع دیے بغیر اس ملعونہ کو رات ورات ملک سے باہر نکالنے کا موقع دیا۔

مدعی کی درخواست نہیں قرآن پڑھو! چیف جسٹس کا پولیس کو مشورہ

یہی کھیل عدالت عظمی نے اس کیس کے فیصلہ میں کھیلا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ آسیہ مسیح کیس میں تو عدالت نے ایف، آئی، آر کو ہی غیر قانونی قرار دے دیا تھا، اور پھر ہائی کورٹ تک کہ پر اسس کو اس غیر قانونی کام کا حصہ دار قرار دے دیا تھا لیکن اس کیس میں ہمارے چیف جسٹس ایف، آئی، آر، کو غیر قانونی قرار نہیں دے رہے، بلکہ کھلے لفظوں میں پولیس کو یہ ہدایت دے رہے ہیں کہ ایسی ایف، آئی، آر وصول ہی نہ کرو! وہ حکم کے انداز میں پولیس کو مشورہ دے رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی قسم کا مذہبی کیس لے کر آپ کے پاس آئے تو آپ مدعی کی درخواست نہ پڑھیں بلکہ اللہ کا قرآن پڑھنا شروع کر دیں اور تیسرے سپارے کے دوسرے رکوع سے آیت ﴿إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ [البقرة: 256] کا ورد کریں، اس کی تلاوت شروع کر دیں، ملزم کو چھوڑو اس نے توہین قرآن کا، توہین رسالت کا، توہین دین کا، توہین صحابہ رضی اللہ عنھم و اہل بیت رضی اللہ عنھم کا جو جرم کیا ہے اس

سے آپ کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں، وہ ملزم کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ مدعی تو خواہ مخواہ اس میں ٹانگ اڑا رہا ہے، تمہیں اس معاملے میں کوئی مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں، وہ توہین خدا کر رہا ہے تو خدا کا مجرم ہے، خدا خود اس سے نپٹے گا، وہ توہین رسالت کر رہا ہے تو اللہ کا مجرم ہے اللہ خود اس سے پوچھے گا، وہ توہین دین کر رہا ہے تو خدا کا مجرم ہے وہ خود اس سے حساب لے لے گا۔ وہ توہین صحابہ رضی اللہ عنھم واہل بیت رضی اللہ عنھم کر رہا ہے تو خدا کے سپرد کرو وہ خود سزا دے گا، تمہیں اس معاملے میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں تم مدعی کی درخواست پڑھو گے تو تمہیں کیا ملے گا؟ تم اللہ کا قرآن پڑھو آیت لااکراہ فی الدین کی تلاوت کرو، اس کیس کی محنت سے بھی بچ جاؤ گے اور قرآن کے ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں بھی ملیں گی، دس دس گناہ بھی معاف ہوں گے، دس دس رحمتیں بھی نازل ہوں گی، معاذ اللہ تعالیٰ یہ کیا تصور دیا جا رہا ہے؟ اتنی مرعوبیت یا دن اسلام سے اتنی دشمنی کہ مذہبی کیس رپورٹ ہی نہ کیے جائیں؟ اور پھر عدالت عظمیٰ واضح طور پر حکم کے لہجے میں تفتیشی اداروں اور ماتحت عدالتوں کو مشورہ دے رہی ہے کہ مذہبی مقدمات میں اگر کیس درج کرنا ہی پڑ جائے تو ملزم کے لئے جرم بھی ہوں تو اس پر ہر ہر جرم کی الگ الگ قانونی دفعہ لگانے کی ضرورت نہیں ایک ہی قانونی دفعہ سے ہر کام نپٹاؤ اور پھر اس پر دفعہ بھی وہ لگاؤ جو ہلکی اور کمزور ہو، قابل ضمانت ہو، مجرم بیچارہ زیادہ دیر تک جیل یا حوالات میں کیسے رہ سکے گا یہ کون سا انصاف ہے؟ کون سا عدل ہے؟ اور کون سا قانون ہے؟ مذہب کے ساتھ اتنی بے دردی اور مجرم کے ساتھ اتنی ہمدردی؟

جناب چیف جسٹس! میں اس فیصلہ کو شعوری قادیانیت تو قرار نہیں دیتا لیکن یہ فیصلہ غیر شعور قادیانیت نوازی اور مذہب دشمنی پر مبنی ہے، ہم اس فیصلے کو ہر اعتبار سے مسترد کرتے ہیں۔

توہین رسالت خدا کا معاملہ ہے تو توہین عدالت کس کا مسئلہ ہے؟

اور پھر میں عدالت عظمیٰ سے پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ اگر توہین رسالت خدا کا معاملہ ہے، توہین قرآن خدا کا معاملہ ہے، توہین دین خدا کا معاملہ ہے تو پھر توہین عدالت کس کا معاملہ ہے، یہ کون سا فلسفہ ہے کہ توہین رسالت پر صبر و تحمل اور نرمی و بربادی کے مشورے، اور توہین عدالت پر ججوں کے چہرے کیوں لال پیلے ہو جاتے ہیں، توہین عدالت پر ججوں کے نتھنے کیوں پھول جاتے ہیں،

کیوں ان کی آنکھیں قہر سے سرخ ہو جاتی ہیں، کیوں ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، کیوں وہاں وکیلوں کی بھی کانپیں ٹانگ جاتی ہیں؟ کیا غیر محسوس طریقے سے ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ توہین عدالت توہین رسالت سے زیادہ سنگین جرم ہے؟ کیا معاذ اللہ تعالی میرے ملک کی عدالت، منصب رسالت سے بھی زیادہ مقدس ہے؟ توہین رسالت ہو تو خدا کا معاملہ نہ اس کے خلاف ایف، آئی، آر کی ضرورت نہ چالان تیار کرنے کی ضرورت، نہ عدالت، نہ سزا، اور توہین عدالت ہو تو نہ ایف، آئی، آر کا انتظار، نہ حوالات، نہ تفتیش، سیدھا عدالت سے جیل، فوری سزا، جناب چیف جسٹس! اپنے منصب کو نہ اتنا اونچا لے جائیں کہ گرنے پر وجود ہی ٹوٹ پھوٹ جائے اور نہ اپنی شخصیت کا قد اتنا چھوٹا کیجئے کہ منصب سے اترنے کے بعد وہ کسی کو نظر بھی نہ آسکے۔

ہم احسان نہیں حق مانگ رہے ہیں

اور پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ ہم آپ سے ہرگز یہ مطالبہ نہیں کر رہے ہیں، کہ ہم پر احسان کیجئے! ہم تو آپ سے صرف اپنا حق مانگ رہے ہیں، احسان یہ آپ کا اپنے آپ پر ہوگا، کہ آپ سے خدا بھی راضی ہوگا خدا کا رسول بھی راضی ہوگا امت مسلمہ بھی آپ کو دعا دے گی اور آپ کا منصبی فریضہ بھی عدل و انصاف کے ساتھ ادا ہوگا، کیونکہ عشق رسالت اور عدل یہی دونوں آپ کا منصبی فریضہ ہے، اس لیے آپ سے ہمارا تقاضا صرف یہی ہے کہ خدارا آئین اور قانون پر عمل کیجئے جس پر عمل کرنے کا آپ نے حلف اٹھایا ہے، آپ نے اس بات کا حلف نہیں اٹھایا کہ پولیس افسران کو مذہبی مقدمات کی ایف، آئی، آر کاٹنے سے روکے مدعی کی درخواست پڑھنے کے بجائے انہیں قرآن کی تلاوت کرنے کا مشورہ دیں، اور اس کے لیے قرآنی آیات سے غلط استدلال کریں، آپ نے اس چیز کا حلف اٹھایا ہے کہ آپ کے پاس جو ایف، آئی، آر، آئے جو چالان آپ کے سامنے پیش ہو، جو شہادتیں آپ کے سامنے آئیں، ماتحت عدالتوں کے جو فیصلے آپ کی میز پر موجود ہوں ان کو سامنے رکھ کر اور وکیلوں کا موقف پورا سن کر عدل و انصاف پر مبنی فیصلہ کریں اور قرآن سمجھانے کے لیے ہمارے پاس الحمدللہ بہت علماء موجود ہیں، وہ قرآن سمجھتے بھی ہیں اور قرآن سمجھانے کی پوری اہلیت و صلاحیت بھی رکھتے ہیں، آپ کوئی قانون مت مس کیجئے اور قانون کے مطابق فیصلے کیجئے، کیونکہ آپ کی ڈیوٹی یہی

ہے، قرآن سمجھانا آپ کی ڈیوٹی میں شامل نہیں ہے۔

اگر یہ توہین عدالت ہو تو "آئی، ایم، سوری"

ہوسکتا ہے میرا یہ طرز، میرا یہ انداز، میرا یہ لہجہ، اور میرے یہ الفاظ، قانون کی ڈکشنری میں توہین عدالت کے زمرے میں آتے ہوں اس لیے آئی ایم سوری میں معذرت چاہتا ہوں، لیکن میں کیا کروں میرا ایمان اور عقیدہ یہی ہے، میرا عشق اور جذبہ یہی ہے کہ میں صرف ایک عدالت عظمیٰ نہیں بلکہ ایسی ہزاروں لاکھوں عدالتوں کا تقدس اپنے آقا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وناموس پر قربان کرسکتا ہوں، آپ خود بھی اگر اپنے ایمانی جذبات کے ساتھ غور کریں گے تو آپ کو بھی توہین رسالت کے مقدمہ اور توہین عدالت کے مقدمہ کے بارے میں اپنے اندر ایک بہت بڑا ذہنی بعد نظر آئے گا، توہین عدالت کے کسی کیس کے بارے میں آپ قرآن کی طرف رجوع کی دعوت نہیں دیں گے، ایک، دو یا تین بار وارننگ دیں گے اور ڈائریکٹ فیصلہ! میرے لیے یہ ایک بڑی اذیت ناک حقیقت ہے کہ میرے علم کی حد تک عدالت عظمیٰ کا یہ فیصلہ عدالتی تاریخ کا سب سے خوفناک، خطرناک فیصلہ ہے جس میں عدالت اداروں کو قانونی کاروائی سے گریز کرنے کا مشورہ دے رہی ہے، حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ قانونی راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ کس خطرناک اور تباہ کن گھاٹی کی طرف جاتا ہے، تباہی اور فساد کی طرف جاتا ہے، اسی راستہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے قانون سازی کی گئی ہے، اور اب اگر عدالت یہ دروازہ دوبارہ کھولنا چاہتی ہے تو وہ ذہن میں رکھے کہ پاکستان کا دشمن ریاست کا دشمن یہی چاہتا ہے کہ ملک کے اندر بدامنی اور انتشار پیدا ہو یہی عالمی شیطانی قوتوں کا ایجنڈہ ہے اور پاکستان کے اندر ان کے ایجنٹوں کا پروگرام ہے۔ خدا کے لیے اس ایجنڈہ اور اس پروگرام کو آگے بڑھنے سے روکیے ورنہ ہم ہمارا ملک اور ہماری قوم اتنی بڑی آزمائش کے متحمل بالکل نہیں ہوسکتے، میں عالمی استعماری قوتوں اور ان کے ایجنٹوں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ ہم تمہیں ناموس رسالت سے کھیلنے کی اجازت دیں گے اور نہ اپنے آئین اور قانون سے کوئی کھلواڑ کرنے دیں گے، قادیانی آئین پاکستان کی رو سے کافر و غیر مسلم ہیں، قانون کی رو سے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کر سکتے، نہ قرآن چھاپ سکتے ہیں، نہ قرآن کی تفسیر لکھ سکتے ہیں، نہ تفسیر شائع کرسکتے ہیں اور نہ اسے

تقسیم کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ ان کی دعوت اور تبلیغ ہے اور ان کا اپنے مذہب کی تبلیغ کرنا قانوناً جرم ہے وہ اسلامی شعائر اختیار نہیں کر سکتے یہ سب قابل تعزیر جرم ہیں، قادیانی ملزم نے یہ تمام جرم کیے ہیں وہ ان تمام جرائم میں باقاعدہ ملوث ہے، اس لیے اسے ان تمام جرائم کی قانونی سزا ملنی چاہیے، ورنہ قانون قانون نہیں رہے گا اور جرم جرم نہیں کہلا سکے گا۔

کیا یہ فیصلہ مستقبل میں قانون کی تشریح قرار پا سکتا ہے؟

عدالت عظمیٰ کے اس فیصلے کے حوالے سے ایک خطرناک قانونی پوائنٹ بھی سامنے آیا ہے، عدالت عظمیٰ نے آپنے اس فیصلے کے آخر میں ایک جملہ ریڈ لائن میں لکھا ہے۔ کہ رپورٹنگ کے لیے منظوری دی گئی۔ اس جملہ کا مطلب اور مقصد کیا ہے؟ میں نہیں جانتا، لیکن بعض قانونی ماہرین نے اس ریڈ لائن جملے سے یہ پوائنٹ اٹھایا ہے کہ عام طور پر جو عدالتی فیصلے ہوتے ہیں ان کا تعلق صرف اسی مقدمے سے ہوتا ہے جس مقدمے کے بارے میں وہ فیصلہ دیا گیا ہوتا ہے، لیکن جس فیصلے کے آخر میں یہ جملہ لکھا جاتا ہے کہ رپورٹنگ کے لیے منظوری دی جاتی ہے اس فیصلے کا تعلق صرف اسی مقدمے سے نہیں رہتا بلکہ اس نوعیت کے باقی مقدموں کے لیے مستقبل میں تشریح اور نظیر کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، یعنی مستقبل میں اگر اسی نوعیت کا کوئی مقدمہ انہی قانون دفعات کے تحت عدالت میں آئے تو وہ عدالت اس فیصلے کو اس مقدمے میں بطور تشریح و نظیر قبول کرے گی، خدانہ کرے اگر اس جملہ کا قانونی مفہوم یہی ہے تو یہ واقعی ایک انتہائی خطرناک جملہ ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اس مقدمے کے فیصلے میں عدالت کی طرف سے پولیس حکام کو اور ریاست کی انتظامی مشینری کو مذہبی مقدمات میں دلچسپی نہ لینے انہیں نظر انداز کرنے اور ان سے اغنور کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے اور انہیں ملزم کے خلاف ایف، آئی، آر، درج نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور انہیں ترغیب دی گئی ہے کہ مذہبی نوعیت کے مقدمات میں ملزم اور ریاست کا معاملہ نہیں بلکہ ملزم اور خدا کا معاملہ ہے۔

اس لیے ریاستی ادارے اس میں مداخلت سے گریز کریں، مستقبل میں اس نوعیت کے مذہبی مقدمات میں بھی خدانخواستہ عدالت کا رویہ اور فیصلہ یہی ہوگا جس طرح اس فیصلے کے اندر ملزم کے

خلاف چالان میں درج تمام قانونی دفعات مقدمہ سے خارج کر دی گئی ہیں، مستقبل میں بھی اس نوعیت کے باقی مقدمات سے ملزم کے خلاف سنگین نوعیت کے قانونی دفعات خارج ہونے کا خطرہ موجود رہے گا۔

جس طرح اس فیصلے کے اندر ایف، آئی، آر، میں درج نا قابل ضمانت دفعات کو خارج کر کے اس میں ایک ہلکی پھلکی قابل ضمانت اور ہلکی سزا والی دفعہ شامل کر دی گئی ہے مستقبل میں اس مستقبل میں بھی اس نوعیت کے باقی مقدمات میں ایف، آئی، آر، سے سنگین قسم کی نا قابل ضمانت دفعات خارج کر کے کوئی ہلکی سی کم سزا والی قابل ضمانت دفعہ اس میں شامل کی جا سکے گی۔

اگر خدانخواستہ عدالتی فیصلہ کے آخر میں اس ریڈ لائن جملہ کا مطلب اور مقصد یہی ہے تو یہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک خطرناک عدالتی سازش ہو سکتی ہے جس سے نہ صرف قادیانی جرائم کو پشت پناہی ملے گی بلکہ قادیانی جرائم اور ان کی قانون شکنی کے لیے کھلی کھلی حوصلہ افزائی ہوگی اور عدالت عظمیٰ کی طرف سے یہ قادیانیوں کے لیے بہت بڑا ریلیف ہوگا، خدا کرے کہ قانونی ماہرین کی یہ رائے غلط ثابت ہو۔

سپریم کورٹ کے افسر تعلقات عامہ کی پریس ریلیز

اور یہ صرف میرے نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ اور تمام پاکستانی مسلمانوں کے دلی جذبات ہیں، اور ملت اسلامیہ کے تمام مکاتب فکر اور تمام مذہبی طبقات نے اپنے انہی جذبات کا اظہار کیا ہے، کسی نے گرم لہجہ اور سخت الفاظ کے ساتھ، اور کسی نے نرم لہجہ اور سخت الفاظ کے ساتھ، کسی نے نرم لہجہ اور نرم الفاظ کے ساتھ، لیکن اپنے دکھ اور درد کا اظہار ہر مکتبہ فکر نے کیا ہے، ہر طبقے کے لوگوں نے کیا ہے، کیونکہ یہ فیصلہ ہی ایسا تھا جس نے پوری پاکستانی قوم کو مشتعل اور مضطرب کیا، نرم و گرم لہجہ میں یہ احتجاج سوشل میڈیا اور میسجز کے ذریعے شدت اختیار کر رہا تھا، تنقید و احتجاج کا سلسلہ زور پکڑ رہا تھا، کہ سپریم کورٹ کے افسر تعلقات عامہ کی طرف سے ایک پریس ریلیز جاری ہو گئی جس میں عدالت عظمیٰ کے اس فیصلے کے بارے میں صفائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں جناب چیف جسٹس کا دفاع کیا گیا ہے، کہ اس فیصلے کے پیچھے جناب چیف جسٹس کی بد دیانتی کا کوئی عمل دخل نہیں

ہے بلکہ چیف جسٹس نے یہ فیصلہ قرآن و سنت اور آئین و قانون کی روشنی میں دیا ہے لیکن یہ پریس ریلیز پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ افسر تعلقات عامہ کی اس پریس ریلیز میں دی گئی صفائی "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مترادف ہے، یعنی گناہ پر پردہ ڈالنے کے لیے جو صفائی دی جارہی ہے اس کے لیے جو عذر پیش کیا جارہا ہے وہ گناہ سے بھی بدتر گناہ ہے، اس پریس ریلیز کے اندر صفائی کا جو طرز اور انداز اختیار کیا گیا ہے اس نے اس فیصلے پر مزید سوالات کھڑے کر دیے ہیں اور بحث کے لیے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔

چیف جسٹس کے آیات قرآنی سے استدلال کی شرعی حیثیت

افسر تعلقات عامہ نے اپنی اس پریس ریلیز کے اندر پہلا نقطہ یہ اٹھایا کہ جناب چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ صاحب اپنے عدالتی فیصلوں کے اندر قرآنی آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں، حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے بھی استدلال کرتے ہیں، خلفائے راشدین کے فیصلوں سے بھی استدلال کرتے ہیں، اور فقہاء کرام کی آراء سے بھی استدلال کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ تمام قوانین کی تعبیر ایسی اختیار کی جائے جو احکام اسلام کے مطابق ہو جیسا کہ آئین کے آرٹیکل 2/آرٹیکل 31/ارٹیکل 227/اور قانون نفاذ شریعت ۱۹۹۱ کی دفعہ 4/ کا تقاضہ ہے ہم جناب چیف جسٹس کے اس دینی جذبے کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے احترام کرتے ہیں، اللہ ان کے جذبے میں برکت دے اور انہیں حقیقی قرآنی شعور اور فہم عطا فرمائے، آمین! لیکن یہاں تین سوال پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا سوال تو یہ ذہن میں اٹھتا ہے کہ اس فیصلہ کے اندر جناب چیف جسٹس نے آیات قرآنی کے ذریعے کسی قانون کی کوئی تشریح نہیں کی، کسی قانون کے بارے میں انہوں نے کوئی وضاحت نہیں کی کہ یہ قانون قرآن کے مطابق ہے یا مخالف، میں تفصیل کے ساتھ وضاحت کر چکا ہوں کہ ان آیات کا نہ ریاستی قوانین کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اس مقدمہ کے ساتھ جس کے فیصلے میں وہ آیات لکھی گئی۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب چیف جسٹس نے اگر قرآنی آیات کی تشریح آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے کسی فرمان یا فقہاء کرام کے کسی مستند قول سے کی ہوتی ہے تو شاید کسی اعتراض اور تنقید کی کوئی گنجائش پیش نہ آتی، انہوں نے تو ڈائریکٹ قرآنی آیات سے اس طرح استدلال کیا ہے جیسے وہ خود کوئی فقیہ اور مجتہد ہوں اور وہ بھی اس مفہوم کو سامنے رکھ کر جو عام طور پر منکرین حدیث پیش کرتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانون بنانا اور قانون کو قرآن و سنت کے سانچہ میں ڈھالنا جناب چیف جسٹس اور عدلیہ کا کام نہیں بلکہ مقننہ اور پارلیمنٹ کا کام ہے اور پارلیمنٹ کی رہنمائی کے لیے بھی اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت جیسے دو ریاستی ادارے موجود ہیں، عدلیہ کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مقدمات کے اندر موجود ریاستی قوانین کو نافذ و جاری کرے، اور اگر ان میں سے کسی قانون کے اندر کوئی ابہام یا تردد موجود ہو تو اس ابہام اور تردد کو دور کرے، اسے ختم کرے، اور آئین و قانون کی اس شق کے الفاظ میں پوشیدہ اس مفہوم یا مقصود کو تشریح کے ذریعے ظاہر کرے، ابہام کو رفع کرنے والا ہو، یعنی عدلیہ کا کام آئین و قانون کے الفاظ میں اجتہاد کا ہے، اس میں کسی نئے مفہوم کی ایجاد کا نہیں، عدلیہ صرف قانون کے مبہم مفہوم کی تشریح کا حق رکھتی ہے، اسے قانون کو منسوخ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

زیر بحث مقدمہ کی تمام قانونی دفعات بالکل واضح ہیں

اور جس مقدمہ کا فیصلہ جناب چیف جسٹس نے لکھا ہے، اس مقدمہ کے اندر مذکور قانونی دفعات میں سے کوئی ایک دفعہ بھی ایسی نہیں ہے جس کے اندر کسی قسم کا کوئی ابہام موجود ہو، ان میں جرم بھی واضح ہے۔ اور قانون بھی غیر مبہم ہے اور سزا بھی بڑی صاف لکھی ہے، قادیانی ملزم نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا کیونکہ قرآن کے ساتھ کوئی مسلمان ہی ظاہر کر سکتا ہے، تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/سی کے تحت یہ جرم ہے اور اس جرم کی سزا تین سال قید مقرر ہے، اس قانون کے اندر کون سا ابہام پایا جاتا ہے جس کے لیے عدالتی تشریح کی ضرورت ہو؟ یا جناب چیف جسٹس نے اس قانون کی تشریح کے لیے کون سی آیت پیش کی ہے قادیانی ملزم نے قرآن کی تحریف شدہ تفسیر علی الاعلان تقسیم کی جو پنجاب قرآن ایکٹ ۲۰۱۱/ کے تحت جرم ہے اور اس جرم کی سزا جرم کے وقت

۲۰۱۹ء میں تین سال قید تھی اور چار سال بعد جب ایف ،آئی، آر، درج ہوئی اس وقت دسمبر ۲۰۲۲ء میں اس جرم کی سزاسات سال قید تھی ،اس قانون میں کون سا ابہام تھا جس کے لیے عدالتی تشریح کی ضرورت تھی ؟ یا جناب چیف جسٹس نے اس قانون کی وضاحت اور تشریح کے لیے قرآن کی کون سی آیت پیش کی ؟ قادیانی ملزم جو تفسیر تقسیم کر رہا تھا وہ مرزا بشیر الدین محمود کی تھی جسے قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کا صحابی مانتے ہیں اور تفسیر کے ٹائٹل پر قادیانیوں کے عقیدہ کے مطابق مرزا بشیر الدین محمود کے نام کے ساتھ معاذ اللہ تعالی ”رضی اللہ عنہ“ لکھا ہوا ہے۔

جو تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸/بی کے تحت جرم ہے اور اس جرم کی سزا تین سال قید مقرر ہے، اس قانون کے اندر کون سا ابہام تھا جس کے لیے عدالتی تشریح کی وضاحت کی ضرورت باقی تھی یا اس قانون کی وضاحت و تشریح کے لیے جناب چیف جسٹس نے کون سی قرآنی آیت نقل کی ؟ قادیانی ملزم نے قرآن مقدس کو اپنے مضموم مقاصد کے لیے استعمال کیا، اس کے ذریعے اپنا جھوٹے اور باطل مذہب کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کی جو تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵/بی کے تحت غیر قانونی عمل اور جرم ہے، جس کی سزا عمر قید ہے، اس قانون کے اندر ایسا کون سا ابہام تھا جسے ختم کرنے کے لیے عدالتی تشریح کی ضرورت تھی ؟ یا جناب چیف جسٹس نے اس قانون کی وضاحت اور تشریح کے لیے قرآن پاک کی کون سی آیت نقل کی ؟ افسر تعلقات عامہ اس مقدمہ کے اندر مذکور قانونی دفعات میں سے ایک قانونی دفعہ بھی ثابت نہیں کر سکتے جس میں کوئی ابہام موجود ہو ؟ یا جناب چیف جسٹس نے کسی قانون کی تشریح کے لیے کوئی آیت قرآنی نقل کی ہو ؟ انہوں نے جو قرآنی آیات پیش کی ہیں ان کے غلط اور بے بنیاد مفہوم کے ذریعے انہوں نے صرف پولیس حکام اور ریاستی انتظامیہ اور ماتحت عدلیہ کو مذہبی مقدمات سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ یہ قرآن و سنت کی کون سی خدمت ہے ؟ کون سی ایسی تشریح ہے جو احکام اسلام کے مطابق ہے ؟ کیا ریاستی اداروں کو ریاستی قانون کے خلاف اکسانا قرآن و سنت کی خدمت ہے ؟ انہیں قانون کے مطابق قانون کی کاروائی کرنے سے روکنا احکام اسلام کے مطابق ہے ؟ جناب افسر تعلقات عامہ خدا کے لیے قرآن کو اپنے مذموم اور غیر قانونی مقاصد کے لیے استعمال کرنے والوں کو قانونی اور عدالتی سپورٹ مت دیجئے، جو ان کے منصب

واختیار کے دائرے سے باہر ہے۔

مسئلہ تقدیر کی آڑ میں جرائم کا دروازہ کھولنے کا منصوبہ

اور صرف اتنا بتائیے کہ جناب چیف جسٹس نے اپنے فیصلے کے اندر جن قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے وہ آیات کون سے آئینی آرٹیکل یا کون سی قانونی دفعہ کی تشریح میں پیش کی گئی ہیں اور ان میں سے کون سے غیر اسلامی قوانین ہیں جنہیں اسلامی قوانین بنانے کا انہوں نے شرف حاصل کیا ہے، قادیانی ملزم کے خلاف تھانہ میں درخواست دینے سے لے کر ہائی کورٹ سے ملزم کی ضمانت مسترد ہونے تک وہ کون سا ایسا عمل ہے جو غیر اسلامی اور غیر قانونی تھا جس کے اصلاح کے لیے جناب چیف جسٹس نے قرآنی آیات کا سہارا لیا؟ ان کے طرز استدلال سے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ ان قرآنی آیات کے ذریعے مسئلہ تقدیر کو اس مقدمہ کی آڑ بنا کر یہ کوشش کر رہے ہیں کہ مذہبی مقدمات کو ریاستی قانون اور عدالتی سسٹم سے بالکل باہر نکال کر انہیں قدرت اور تقدیر کے حوالے کر دیا جائے؟ اللہ جانے اور ملزم جانے! وہ پاکستانی مسلمانوں، ریاستی اداروں، اور ماتحت عدالتوں کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ ریاست کا مذہب کے ساتھ کیا تعلق؟ کوئی عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرتا ہے تو وہ اس کا پرسنل معاملہ ہے وہ جانے اور خدا جانے؟ اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے؟ اگر کوئی بدبخت توہین رسالت کرتا ہے اسے تقدیر کے حوالے کر دو ہم کون ہوتے ہیں اللہ کے کام میں دخل دینے والے؟ اگر کوئی بے غیرت انسان توہین قران کا مرتکب ہوتا ہے یا دینی شاعر کی توہین کرتا ہے تو تھانہ کچہری اور کورٹ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے بس اللہ سے دعا کرنی چاہیے یا اللہ یہ تیرا ہی مجرم ہے تو ہی اس سے نمٹ لے؟ میرا قاضی تو اس سے بری الذمہ ہے؟ میری ریاست وعدالت تو اس سے بری الذمہ ہے؟ یعنی ہر مذہبی کیس تقدیر اور قدرت کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اسے ریاست اور عدالت کے حدود و دائرے سے نکال دینا چاہیے۔

تقدیر کا اثر صرف مذہبی نہیں ریاستی مقدمات پر بھی پڑے گا

لیکن افسر تعلقات عامہ بھول رہے ہیں کہ تقدیر کا یہ مفہوم اگر پبلک میں آگیا تو اس کا اثر صرف مذہبی مقدمات پر ہی نہیں پڑے گا، بلکہ انسان اس کی پرسنل لائف سے لے کر اس کی اجتماعی زندگی

تک، شخصی واخلاقی کردار سے لے کر سماجی ومعاشرتی اصول و ضوابطہ تک۔ خاندان سے لے کر ریاست تک، قوم سے لے کر عالم تک، پورے کا پورا نظام تتر بتر ہو جائے گا۔ ریاستی آئین اور ملکی قانون سارے کا سارا تیاپانچہ ہو جائے گا۔ پھر نہ نیکی رہے گی اور نہ بدی بدی، نہ حق حق رہے گا نہ باطل باطل، نہ ظلم ظلم رہے گا اور نہ عدل عدل، پھر نہ جزا جزا رہے گی اور نہ سزا سزا، پھر تو تفریق اور تقسیم کا تصور ہی ختم ہو جائے گا کہ جرم اور قانون کے درمیان تفریق کیا ہے۔ ایک چور بھی چوری کرنے کے بعد قاضی کی عدالت میں یہی بیان حلفی جمع کرائے گا کہ میں قرآن، بائیبل یا گیتا پر ہاتھ رکھ قسم کھاتا ہوں کہ میں چور نہیں ہوں، یہ چوری تو معاذ اللہ مجھ سے اللہ نے کرائی ہے، وہ اگر نہ چاہتا تو میں کبھی چوری نہ کرتا، پھر قاتل بیسیوں اور سینکڑوں انسانوں کا خون کرنے کے بعد بھی قاضی کے کورٹ میں یہی بیان حلفی دیتا کہ قاتل میں نہیں ہوں قاتل تو معاذ اللہ تعالیٰ اللہ تعالی خود ہیں جس نے مجھ سے یہ قتل کروائے ہیں؟ وہ اگر نہ چاہتا تو میں کبھی ایک قتل بھی نہ کر پاتا؟ میں تو مجبور محض تھا ؟جناب چیف جسٹس آپ پاکستان کے کرپٹ حکمرانوں، کرپٹ سیاست دانوں، کرپٹ ججوں، کرپٹ جرنیلوں، کرپٹ بیوروکریسی، کرپٹ صحافیوں، کرپٹ تاجروں، کرپٹ بزنس مینوں، کرپٹ مولویوں اور کرپٹ پیروں کے ہاتھ میں کرپشن کا بہت بڑا ہتھیار اور بہت بڑا جواز دے رہے کل اگر وہ آپ کی عدالت میں یہ بیان حلفی جمع کروادیں کہ ہم نے خود کوئی کرپشن نہیں کی بلکہ ہم تو کٹھ پتلی تھے ہماری ڈور تو اوپر والے کے ہاتھ میں تھی؟ ہم سے جو کرپشن کروائی اس نے کروائی؟ اگر وہ نہ چاہتا تو ہم ایک پیسے کی بھی کرپشن نہ کر پاتے؟ اگر وہ نہ چاہتا تو ہمارے سوئس بینک اکاؤنٹ کبھی ڈالروں سے نہ بھرتے وہ اگر چاہتا تو کبھی لندن میں ہماری کوٹھیاں اور بنگلے نہ ہوتے وہ اگر نہ چاہتا تو کبھی دبئی میں ہمارے اتنے قیمتی فلیٹ نہ ہوتے، یہ تو سب اوپر والے کے کام ہیں اسی کی کرپا اور فضل ہے، اسی کا کرم ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے۔ جناب چیف جسٹس آپ کے اس نام نہاد قرآنی فلسفہ کی روشنی میں اس کا کیا جواب ہوگا؟ پھر کیا آپ کسی مجرم کو سزا دے سکیں گے؟ پھر کیا آپ کے پاس انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کا کوئی جواز باقی رہے گا؟ کیونکہ کرسی کا مقصد تو ظلم اور عدل کے درمیان فرق کرنا ہے، جب ظلم ظلم نہیں رہے گا تو پھر اس کرسی کا کیا مطلب؟ پھر صرف عدالت کے لیے نہیں بلکہ پوری ریاست اور سماج

کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور ملک کا کباڑا ہو جائے گا۔

آیات قرآن کی تفسیر بالرائے اور تحریف قرآن

جناب افسر تعلقات عامہ آپ کی طرف سے تسلی اور اطمینان کے الفاظ بڑے خوبصورت تھے کہ چیف جسٹس قاضی فائز عیسی صاحب اپنے فیصلوں کے اندر آیات قرآنی اور احادیث نبویہ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلوں اور فقہائے امت کی آراء اور ان کے فتاوی سے استدلال کرتے ہیں تاکہ قوانین کی ایسی تعبیر کی جائے جو احکام اسلام کے مطابق ہو، چیف جسٹس کا یہ دفاع بہت اچھا ہے، لیکن یہ مدعی سست اور گواہ چست والا دفاع ہے، کیونکہ جناب چیف جسٹس جس نے قرآن کی جن آیات سے استدلال کیا ان پر لازم تھا کہ ان آیات کے مفہوم پر احادیث رسول ﷺ، خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فیصلوں، فقہاء کرام کی آراء سے ثبوت لاتے، لیکن انہوں نے اپنے فیصلے کے اندر آیات قرآنی کی تفسیر و تعبیر کے لیے نہ کوئی حدیث پیش کی، اور نہ کسی خلیفہ راشد کا قول پیش کیا، نہ کسی مستند فقیہ و مجتہد کی کوئی رائے نقل کی انہوں نے تو چند آیات کریمات نقل کر کے ان کے مفہوم اور مقصود کو عوام اور ماتحت عدالتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور ان آیات کو اگر اس مقدمہ کے ساتھ جوڑا جائے تو جو مفہوم اور مقصود ظاہر ہوتا ہے وہ میں تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں، وہ تفسیر بالرائے ہے، جو کہ منکرین حدیث کا طریقہ واردات ہے،

صحیح العقیدہ مسلمان قرآن کی اس طرح تفسیر بالرائے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، اس لئے جناب افسر تعلقات عامہ کا یہ مؤقف اور دعوی غلط ہے کہ چیف جسٹس مقدمہ کے اندر مذکورہ قوانین کی تعبیر احکام اسلام کے مطابق بنا رہے تھے، بلکہ ان کے طرز استدلال سے تو خود احکام اسلام کا حلیہ بگڑ رہا ہے جناب افسر تعلقات عامہ میں آپ کی وساطت سے جناب چیف جسٹس کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ قرآن کی تعبیر و تشریح استعداد اور صلاحیت نہیں رکھتے اس لیے ریاستی قوانین جس طرح ہیں اسی طرح ان پر عمل کریں گے تو یہی ان کے لیے مفید ہوگا اور یہی ریاست کے وارے میں ہے۔

اس فیصلہ کے خلاف مہم آزادی اظہار رائے کے خلاف ہے

سپریم کورٹ کے افسر تعلقات عامہ کی طرف سے اپنی پریس ریلیز میں دوسرا نقطہ یہ اٹھایا گیا ہے۔ کہ عدالت عظمی کے اس فیصلے کے بعد عدلیہ اور ججوں کے خلاف سوشل میڈیا پر جو منظم مہم چلائی جارہی ہے وہ افسوسناک بھی ہے اور آئین کے آرٹیکل ۱۹/ کے اندر آزادی اظہار رائے کا جو حق دیا گیا ہے یہ مہم اس کے بھی خلاف ہے۔ یہ عجیب ستم ظرفی ہے کیونکہ جناب چیف جسٹس آئین کے اسی آرٹیکل کو قادیانی ملزم کی اظہار رائے کی آزادی کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور اسے ان تمام جرائم کے لیے اظہار رائے کی آزادی کا حق دے رہے ہیں جن جرائم کی فرد جرم اس پر عائد کی گئی تھی اور سپریم کورٹ کے افسر تعلقات عامہ جناب چیف جسٹس کے لیے بھی آئین کے اسی آرٹیکل کا سہارا لے رہے ہیں اور اظہار رائے کی آزادی کے نام پر انہیں قادیانی ملزم کو غیر قانونی طور پر رہائی کا حق بھی دے رہے ہیں اور انہیں آزادی اظہار رائے کے نام پر آیات قرآنی کی تفسیر بالرائے کا حق بھی دے رہے ہیں، لیکن جہاں تک میں قاضی اور جج کے منصب کو سمجھتا ہوں میرے خیال میں اس منصب پر وہ اپنی رائے کے اظہار کے لیے نہیں بلکہ آئین و قانون کی پابندی و پاسداری کرنے اور آئین و قانون کی پابندی کرانے کے لیے بیٹھے ہیں، آئین کے اندر اظہار رائے کی جو آزادی حاصل ہے وہ ریاستی شہریت کے لیے ہے ریاستی منصب کے لیے نہیں، ریاستی منصب ان حدود و قیود کا پابند ہو جاتا ہے جو ریاست نے اس کے لیے مقرر کر رکھے ہیں، جناب چیف جسٹس سمیت باقی تمام ججوں کو ریاستی شہریت کے طور پر تو تمام حقوق حاصل ہیں لیکن ان کی منصبی حیثیت ان کو منصبی اختیار سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتی، ججوں کو بھی اپنی شہریت اور اپنے منصب میں فرق کرنا ہوگا، اظہار رائے کی آزادی کے نام پر نہ تو کسی کو تفسیر بالرائے کی اجازت دی جاسکتی ہے اور نہ منصبی اختیار سے تجاوز کرنے کا حق دیا جاسکتا ہے۔

آئینی حق سے محروم کر دینے والا آزادی رائے کا حق مانگ رہا ہے!

اور جناب افسر تعلقات عامہ آپ کو یہ فلسفہ بڑا عجیب سا نہیں لگ رہا کہ جناب چیف جسٹس مقدمہ کے مدعی کو وہ حق بھی دینے کے لیے تیار نہیں جو حق اسے آئین اور قانون نے دیا ہے، اس

کے جس حق کو متعلقہ تمام ریاستی اداروں نے تسلیم کیا ہے، اس کے جس حق کو آپ کی تمام ماتحت عدالتوں نے تسلیم کیا ہے، لیکن جناب چیف جسٹس اسے برسر عدالت یہ کہہ کر اس کے وکیل کو سننے سے انکار کر رہے ہیں کہ مدعی کون ہوتا ہے دعوی کرنے والا؟ لیکن آپ جناب چیف جسٹس کے لیے وہ حق مانگ رہے ہیں جو ان کے منصب کو ہرگز حاصل نہیں ہے، وہ حق نہ انہیں شریعت دیتی ہے نہ آئین دیتا ہے نہ قانون دیتا ہے اور نہ ان کا اپنا منصب دیتا ہے، تو پھر یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ اگر ججوں کے خلاف مہم خطرناک ہے تو کیا قرآن مقدس، دین اسلام، رسالت اور اسلامی شعائرس کے خلاف مہم خطرناک نہیں؟ جس سے درگزر کا مشورہ دیا جارہا ہے؟ جسے ریاست کے دائرے سے نکال کر اللہ کے حوالے کیا جارہا ہے؟ ہمیں تو اس پوری مہم جوئی کا ایک ہی مقصد نظر آتا ہے مذہبی قوانین کو غیر مؤثر کرنا اور یہی مغرب کی طاغونی قوتوں کا ایجنڈا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کو کارنر کرنے کی سازش

اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جناب چیف جسٹس نے صرف مذہبی قوانین کو ہی غیر مؤثر بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ جب عوام کی طرف سے اس فیصلے کے خلاف شدید ردعمل سامنے آیا اور تنقید و احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا تو عدالت عظمیٰ کی طرف سے ایک اور ڈرامہ یا ایک اور کھیل شروع ہو گیا، اور جناب چیف جسٹس نے اپنے صوابدیدی اختیار کے ذریعے ان ریاستی اداروں کو بھی بائی پاس کرنا شروع کر دیا جو ریاست نے مذہبی قانون سازی کے لیے اور مذہبی قوانین کے تحفظ کے لیے بنائے تھے، یعنی اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت قانون سازی کے مراحل میں کون سا قانون اسلامی ہے اور کون سا غیر اسلامی یہ ذمہ داری اسلامی نظریاتی کونسل کی ہے اور اسلامی قوانین تیار کرنا بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی ذمہ داری ہے اور اس بارے میں بے شمار اسلامی قوانین کے مسودے اسلامی نظریاتی کونسل کے آفس میں تیار پڑے ہیں، عدالت عظمی اگر اس طرف توجہ دے سکے تو ملک بہت جلد اسلامی فلاحی ریاست بن سکتا ہے، لیکن اس طرف نہ حکومت کی توجہ ہے اور نہ عدالت عظمی کی، کون سا قانون یا کون سا عدالتی فیصلہ اسلام کے مطابق ہے اور کون سا غیر اسلامی اس کی ذمہ داری وفاقی شرعی عدالت کی پاس ہے اور آئین میں اس کی صراحت موجود ہے لیکن جناب

چیف جسٹس نے اپنے فیصلے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اپنی مرضی کے چند علماء اور دانشوروں سے اس فیصلے کے بارے میں رائے طلب کر لی۔

مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں، جاوید احمد غامدی کا مذہب

اور ان میں سے بعض دانشور تو ایسے ہیں جن کا فکر ہی نظریہ پاکستان اور دستور پاکستان کے خلاف ہے، ان کے نزدیک مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، جو نظریہ پاکستان کے ہی مخالف ہیں جیسے جناب جاوید احمد غامدی جن کا تصور ریاست ہی یہی ہے کہ نہ مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق ہے اور نہ ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق ہے، ان کے نزدیک پاکستان کا آئینی نام ہی درست نہیں، یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان، وہ ان میں سے کسی آئینی آرٹیکل کو نہیں مانتے جو آئینی آرٹیکلز جناب افسر تعلقات عامہ نے جناب چیف جسٹس کے دفاع میں پیش کیے ہیں، یعنی آرٹیکل ۲/جس میں اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب قرار دیا گیا ہے، آئین کا آرٹیکل ۳۱/جس میں پاکستانی مسلمانوں کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی ہر سہولت فراہم کرنے کی ریاست نے ضمانت دی ہے، آئین کا آرٹیکل ۲۲۷/جس میں پاکستان کے موجودہ اور آئندہ کے تمام قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کی ضمانت دی گئی ہے لیکن غامدی صاحب جب مذہب اور ریاست کے درمیان کسی رشتے کو ہی تسلیم نہیں کرتے، تو انہیں ایک ایسے عدالتی فیصلے کے بارے میں رائے دینے کا حق کیسے دیا جا سکتا ہے جس کا بنیادی نقطہ ہی یہی ہے کہ یہ فیصلہ آئین و قانون اور اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔

اور دوسرا مسئلہ یہاں یہ ہے کہ یہ مقدمہ مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان ہے اور غامدی صاحب قادیانیوں کو غیر مسلم تسلیم ہی نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ تو یہود و نصاریٰ کو بھی کافر نہیں بلکہ جنتی مانتے ہیں۔ جناب چیف جسٹس جب اپنے فیصلے کے بارے میں رائے ایسے دانشوروں سے لیں گے جو پاکستان کی آئینی حیثیت کو ہی تسلیم نہیں کرتے اور نہ قادیانیوں کو کافر قرار دیتے ہیں تو نتیجہ پہلے سے ہی ہمارے سامنے ہے جناب چیف جسٹس کا یہ منصبی اقدام ان کے عدالتی فیصلے سے بھی زیادہ

خطرناک ہے اور ملک کے اندر آئینی و قانونی بحران پیدا کرنے کی عالمی سازش کا حصہ ہے۔

جناب چیف جسٹس! خدارا ہم پہلے ہی بے شمار سیاسی اور معاشی بحرانوں میں گھرے ہوئے ہیں، ہمیں مزید کسی بحران کی طرف مت دھکیلئے یہ ملک اس کا متحمل نہیں ہو سکتا، اللہ ہمارے ارباب اقتدار و اختیار کو ہدایت اور عقل سلیم عطا فرمائے اور ہمارے ملک و قوم کو اسلام دشمن قوتوں اور ان کے ایجنڈوں کے شر اور فتنے سے محفوظ فرمائیں۔ آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

حافظ مولانا عبدالحق خان بشیر نقشبندی

کی دیگر تالیفات

- عقیدہ حیات الانبیاء اور مولانا عطاء بندیالوی (صفحات 128)
- عقیدہ حیات الانبیاء اور مولانا سخی داد خوستی کے فکر تضادات (صفحات)
- قادیانی نبوت کے نشیب وفراز ایک تحقیقی جائزہ (صفحات 95)
- نماز تراویح اور مذاہب اہل حدیث (صفحات 184)
- مقصد بعثت اور رسوماتِ میلاد (مرتب: عبدالرحمٰن خان انس) (صفحات 84)
- مرزا قادیانی کا فقہی مذہب۔۔۔۔حنفیت یا غیر مقلدیت؟ (صفحات 208)
- امریکی صدر وسعودی سلطان کی خط وکتابت اور مسئلہ فلسطین کا تاریخی پس منظر (صفحات 32)
- پاکستان ایک مذہبی ریاست یا سیکولر سٹیٹ (صفحات 40)
- نائن الیون۔۔۔۔نائن سیون، قادیانی فتنہ اور امریکی بدمعاشی (صفحات 30)
- ایاز امیر کی ڈبل گیم۔۔۔۔ووٹ مسلمانوں کا، وکالت قادیانی کی (صفحات 98)
- تحفہ چہل حدیث فکری عملی، اخلاقی اصلاح کے لیے (صفحات 48)
- مولانا عبیداللہ سندھی اور تنظیم ولی اللہ، پہلا ایڈیشن (صفحات 320)
- برصغیر میں اسلام کی آمد واشاعت اور اسلامی عقائد ونظریات (صفحات 192)

ناشر حق چار یار اکیڈمی گجرات